ایک پُراسرار ناول

پُراسرار خط

اشتیاق احمد

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد

مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

قیمت : ۷/- روپے

مقام اشاعت :

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز

ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

گذارش !

"پر اسرار خط" ماہنامہ جگنو میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے.... پھر اس کی اقساط بند کر دی گئیں۔ پروگرام یہ تھا کہ اسے فوری طور پر ناول کی صورت میں شائع کر دیا جائے، لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ مسودہ ادھر ادھر ہو گیا—— بہت دنوں تک اس کی تلاش جاری رہی ——

اور اب یہ کتابی صورت میں آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ آپ نے اس کے لئے بہت انتظار کیا ہے آپ نے ڈھیروں خط بھی لکھے...... لیکن افسوس..... وقت پر ہم اسے کتابی صورت میں پیش نہ کر سکے۔

اب آپ اسے پا کر اس طرح خوش ہوں گے جیسے کوئی گم شدہ قیمتی کھلونا مل جاتا ہے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ جہاں آپ کو ہنسائیں گے، وہاں کام کرتے بھی نظر آئیں گے اور آخر میں آپ انہیں داد دیئے بغیر نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ انہوں نے اپنے اپنے حصے کا کام خوب ادا کیا ہے.....

امید ہے پسند فرمائیں گے اور اپنے پیارے، پیارے خطوط کے ذریعے رائے بھی دیں گے۔

شکریہ

اشتیاق احمد
۲۔ شیخ سٹریٹ۔ اسلام پورہ
لاہور

باب ۱

وہ شام کی چائے پی رہے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ فرزانہ ایک دم اٹھتے ہوئے بولی۔

"معلوم ہوتا ہے پروفیسر انکل آئے ہیں۔"

"تمہیں معلوم ہوتا ہوگا۔ میرا تو خیال ہے، انکل خان رحمان آئے ہیں" فاروق نے کہا

"اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دونوں ایک ساتھ آئے ہیں" محمود مسکرایا۔

"توبہ ہے۔ بحث کرنے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ پہلے جا کر دروازہ کھول ڈالو" بیگم جمشید بولیں۔

"بالکل یہی بہتر ہے۔ فرزانہ جاؤ پہلے دروازے پر دیکھو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی اچھا" فرزانہ نے کہا اور دروازے کی طرف دوڑی گئی۔

"تم دیکھ لینا، فرزانہ انکل رحمان کو ساتھ لے کر اندر آئے

گی۔" فاروق نے اس کے جاتے ہی کہا۔

"اچھا، دیکھ لوں گا" محمود رونی صورت بنا کر کہا۔

"یہ تمہاری آواز بھیک کیوں مانگ رہی ہے؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"تمہارے اندازے پر فاتحہ پڑھ رہی ہے" اس بار محمود مسکرایا۔

"کیوں کیوں۔ میرا کون سا اندازہ غلط ثابت ہوا ہے" فاروق بولا۔

"یہی اندازہ کہ فرزانہ انکل رحمان کو لے کر اندر آئے گی۔" فاروق نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں فرزانہ کے ساتھ نہ پروفیسر داؤد آتے نظر آئے، نہ خان رحمان، بلکہ وہ تنہا چلی آ رہی تھی البتہ اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا۔

"ڈاکیہ تھا۔" اس نے قریب آنے پر بُرا سا منہ بنا کر کہا اور خط اپنے والد کے سامنے رکھ دیا۔

"ڈاکیہ کوئی اتنی بُری چیز تو نہیں ہوتا کہ بُرا منہ بنا رہی ہو" فاروق بولا۔

"لیکن میں پروفیسر انکل کی امید لے کر گئی تھی" فرزانہ جھلا اٹھی۔

"امید تو تم ہوائی جہاز کی بھی لے کر جا سکتی ہو، حالانکہ ہوائی جہاز ہمارے گھر تک آ ہی نہیں سکتا، اس کے لئے مکانات وغیرہ

پیچھے ہٹانا ہوں گے اور ایک عدد رَن وے بنوانا پڑے گا، تب کہیں جا کر تمہیں ہوائی جہاز کی شکل نظر آ سکتی ہے۔ البتہ اگر تم ہیلی کوپٹر کی امید لے کر جاؤ تو شاید وہ تو نظر آ جائے، کیونکہ ہوا میں معلق ہو جاتا ہے" فاروق کہتے کہتے ایک دم رُک گیا۔

"بس۔ کہہ چکے، یا کچھ اور باقی ہے" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"باقی آئندہ۔ اس وقت باتوں کا ذخیرہ اتنا ہی تھا" فاروق شریر انداز میں مسکرایا۔

"شکر ہے خدا کا" فرزانہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تم نے اس مرتبہ یہ نہیں کہا کہ میری زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے۔" فاروق نے گویا حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"پرانی بات ہو چکی ہے۔ اب تو یہ راکٹ کی طرح چلنے لگی ہے۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"ارے، سچ! پھر تو ہم چاند پر بھی جا سکتے ہیں اس پر بیٹھ کر" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"چاند پر جا کر کیا کرو گے، وہاں تو لوگ پہلے ہی قبضہ جما چکے ہیں، تم تو اپنی زبان پر بیٹھ کر سورج پر چلے جاؤ۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"ہا۔ بے چارہ سورج۔" فاروق نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"یہ تم سورج کو بے چارہ کیوں کہہ رہے ہو؟" محمود نے حیران

ہو کر پوچھا۔

"وہ یہ سوچ سوچ کر کتنا کڑھتا ہو گا کہ دنیا والے چاند پر جانے کے لیے تو ہر روز کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ کبھی مجھ غریب پر آنے کا خیال تک دل میں نہیں لاتے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔ آخر لوگ سورج پر جانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟" اس مرتبہ بیگم جمشید بول اٹھیں۔

"جل کر راکھ نہ ہو جائیں۔" محمود نے کہا۔

"دیکھا امی جان۔ مجھے راکھ بنانا چاہتی ہے۔ ابھی ابھی سورج پر جانے کا مشورہ دے رہی تھی۔" فاروق نے فرزانہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ مشورہ اس لیے دے رہی تھی کہ تمہاری راکٹ کی طرح چلنے والی زبان سے کسی طرح چھٹکارا مل جائے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ٹھیک ہے۔ اگر امی جان اجازت دے دیں تو میں تمہاری خاطر سورج پر جا کر آباد ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن تمہیں ناراض کرنا پسند نہیں کرتا۔" فاروق نے معصومانہ انداز میں کہا۔

"اوہو! یہ میں کیا سن رہی ہوں۔" فرزانہ نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"ماشاءاللہ تمہارے کان کافی تیز ہیں۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"خدا اتنے لمبے اور بڑے بڑے کان کسی کو نہ دے۔" محمود نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"میرے کان لمبے کب ہیں۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"ہاتھی کے کانوں سے تو کیا کم ہوں گے۔" فاروق مسکرایا۔

بیگم جمشید مسکرا دیں۔ اسی وقت محمود کی نظر اپنے والد پر پڑی۔ ان کے چہرے سے وہ مسکراہٹ غائب تھی جو ان کی باتیں سن سن کر نمودار ہو رہی تھی۔ مسکراہٹ کی جگہ اب گہری سنجیدگی نے لے لی تھی، بلکہ اب وہ کچھ فکرمند سے لگ رہے تھے۔

محمود کے ساتھ ساتھ فاروق، فرزانہ اور بیگم جمشید نے بھی ان کی طرف دیکھا اور پھر چونک اٹھے۔

ان کے والد خط کے اوپر اس طرح نظریں جمائے بیٹھے تھے جیسے کسی جادو کے دیس میں پیچھے مڑ کر دیکھ لینے پر پتھر کے بن گئے ہوں۔ انہوں نے انسپکٹر جمشید کو اپنی پوری زندگی میں کبھی اس حد تک سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے خط کے الفاظ کو دوسری اور تیسری مرتبہ پڑھا۔ آخر ان سے رہا نہ گیا:

"ابا جان! کس کا ہے یہ خط؟" محمود نے پوچھا۔

انسپکٹر جمشید نے اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنی کرسی پر بت بنے بیٹھے رہے۔

"کچھ تو بتایئے ابا جان۔ آخر یہ خط کیسا ہے۔ اس میں کیا ہے۔ آخر آپ بولتے کیوں نہیں؟" فاروق نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

اور پھر کمرے میں گہری خاموشی مسلط ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید نے ان میں سے کسی کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ دفعتہً وہ جھٹکے سے اٹھے اور تیز تیز قدم اٹھاتے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

وہ چاروں ایک دوسرے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

باب ۲

وہ کئی لمحوں تک گم صم بیٹھے رہے۔ پھر ان کی امی بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسی کمرے میں چلی گئیں جس میں انسپکٹر جمشید گئے تھے۔

"آؤ ہم بھی اپنے کمرے میں چلیں" محمود نے اداس لہجے میں کہا۔

"ہاں، چلو" فاروق بولا۔

تینوں اٹھے اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔ اپنے والد کے کمرے کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی امی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں:

"آپ نے ان عزیزوں کو ناحق پریشان کر دیا ہے۔ آخر خط دکھا دینے میں کیا حرج تھا۔"

"تم نہیں جانتیں بیگم۔ اگر میں یہ خط انہیں دکھا دیتا تو ان پر بھوت سوار ہو جاتا۔" انسپکٹر جمشید کی آواز آئی۔

"بھوت۔ کیسا بھوت؟"

"جاسوسی کا بھوت!"

"کیا مطلب؟" بیگم جمشید کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

"بس اس سے زیادہ تو میں تمہیں بھی نہیں بتاؤں گا۔ بہتر

تم انہیں نہ بتا دو۔"

"نہ بتائیں۔ مجھے ایسی باتوں سے دلچسپی بھی نہیں۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ تینوں دبے پاؤں چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئے۔

"تو وہ خط پڑھ کر ہم پر جاسوسی کا بھوت سوار ہو جائے گا۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"اب تو ہم اس خط کو ضرور پڑھیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"سوچ لو! ابا جان اس بات کے حق میں نہیں ہیں۔" محمود فکر مند ہو کر کہا۔

"جب وہ سو جائیں گے تو ہم کمرے میں چلیں گے۔" فرزانہ نے ترکیب بتائی۔

"ان کی اجازت کے بغیر خط پڑھنا مناسب نہیں۔" محمود بولا۔

"انہیں پتا ہی نہیں چلے گا۔" فاروق نے کہا۔

"آخر کیسے۔ میرا خیال ہے، انہیں فوراً معلوم ہو جائے گا۔" محمود نے الجھ کر کہا۔

"محمود ٹھیک ہی کہتا ہے، ابا جان ہماری چوری ضرور پکڑ لیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"تب پھر۔ کیا ہم خط کے راز کو کبھی نہ جان سکیں گے۔" فاروق نے مایوس ہو کر کہا۔

"ابا جان یہی چاہتے ہیں کہ اس خط کو نہ پڑھا جائے۔"

"یہی بات تو ہماری الجھن میں اضافہ کر رہی ہے، اگر وہ منع نہ کرتے تو کبھی بھی ہم اسے پڑھنے کے لئے اتنے بے چین نہ ہوتے۔" فرزانہ بولی۔

"ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔" محمود بولا۔

"اوہ!" اچانک فاروق کے منہ سے نکلا۔ وہ کسی خیال کے آنے پر چونکا تھا۔

"کیا ہوا۔ کیا کوئی بھوت نظر آ گیا ہے۔" فرزانہ نے اس کا مذاق اڑایا۔

"کہیں.... کہیں ابا جان نے یہ سب کچھ ہمارے شوق کو ابھارنے کے لیے تو نہیں کیا!" فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ خط پڑھتے پڑھتے جان بوجھ کر سنجیدہ ہو گئے ہوں، تاکہ ہمارے شوق اور تجسس کا اندازہ لگا سکیں۔"

"ہوں۔ تمہارا خیال ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ ابا جان تو کبھی اتنے سنجیدہ نہیں ہوتے۔" محمود نے سر ہلایا۔

"تو پھر۔ اب کیا خیال ہے؟" فرزانہ بولی۔

"ٹھیک ہے، ہم اس خط کو ضرور پڑھیں گے۔ شاید ابا جان ہمارا امتحان لینا چاہتے ہیں۔" فاروق نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"اس کے لئے ہمیں رات ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اباجان دس بجے سے پہلے نہیں سوئیں گے۔"

"تو ہمیں ہی کب نیند آئے گی۔"

رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنے کمرے میں آ گئے۔ کھانے کے دوران انھوں نے خط کا کوئی ذکر نہ کیا۔ انسپکٹر جمشید بھی خاموشی سے کھانا کھاتے رہے تھے۔ کمرے میں آکر وہ دس بجنے کا انتظار کرنے لگے۔

"آج نہ جانے کب دس بجیں گے۔" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"ٹھیک اس وقت بجیں گے، جس وقت کل بجے تھے۔" فرزانہ نے اس کی بے چینی سے لطف لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ بیٹھ کر سکول کا کام کریں۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔

"اس میں بھی دل نہیں لگے گا۔" محمود بولا۔

"یا اللہ! اس خط نے تو ہمارا سکون ہی لوٹ لیا۔ نہ جانے اس میں کیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"معاملہ پُر اسرار ضرور ہے۔"

"مجھے تو اس خط سے خطرے کی بو آ رہی ہے۔" فاروق بولا۔

"خط تو اباجان کے کمرے میں ہے تمہیں یہاں بو کیسے آ رہی ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تمہیں ایسے میں بھی مذاق کی سوجھ رہی ہے۔"

"کرنے کے لئے کوئی کام جو نہیں ہے۔"

"مجھے تو اپنا دماغ جلتا معلوم ہو رہا ہے۔" محمود نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

"لو بھئی فرزانہ ....." فاروق نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ فرزانہ جھٹ سے بول پڑی۔

"لاؤ بھئی فاروق۔" "توبہ ہے تم سے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ محمود تو گیا کام سے۔ اس کا تو جلنے لگا دماغ۔"

"اور تمہاری باتیں میرا دماغ بھی جلائے دے رہی ہیں۔" فرزانہ بولی۔ "ذرا گھڑی پر بھی نظر ڈال لو۔ کہیں دس نہ بج گئے ہوں۔" فاروق نے کہا۔

محمود نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ماری۔ دس بجنے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔

"صرف دو منٹ باقی ہیں۔ تب تو چلنا چاہیے۔ اباجان گھڑی دیکھ کر تو سوتے نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ابھی ان کی نیند کچی ہو گی۔ چند منٹ اور انتظار کرو۔"

"اُف! یہ چند منٹ۔"

آخر سوا دس بجے تینوں اپنے کمرے سے نکلے۔ پورے مکان میں تاریکی چھائی ہوئی تھی اور گہری خاموشی مسلط تھی۔ وہ دبے

پاؤں اپنے والد کے کمرے کے دروازے پر آئے اور کان لگا کر اندر کی آواز سننے کی کوشش کی لیکن اندر بھی مکمل خاموشی طاری تھی۔ شاید ان کے والدین سو چکے تھے۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوئے اور پھر محمود نے دروازہ تھوڑا سا دھکیلا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ یہ بات تو انہیں معلوم ہی تھی کہ انسپکٹر جمشید کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر کے نہیں سوتے۔

کمرے میں زیرو کا سبز بلب روشن تھا۔ انسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید اپنے بستر پر بے سدھ سو رہے تھے۔ تینوں دھڑکتے دلوں کے ساتھ اپنے والد کی پتلون کی طرف بڑھنے لگے۔ جو انکے سرہانے لٹک رہی تھی۔ آخر محمود نے پتلون کی دائیں جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ جیب خالی تھی۔ اس نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہ بھی خالی تھی۔ پچھلی جیب بھی خالی ملی۔ اب تو ان کی مایوسی کی کوئی حد نہ رہی۔ دفعتہً اس کی نظر تپائی پر پڑی۔ خط وہاں موجود تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھ سے خط اٹھا لیا۔

"بہت خوب۔"

انسپکٹر جمشید کی کڑک دار آواز سن کر تینوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے گھبرا کر انکی طرف دیکھا۔ وہ بستر پر بیٹھے انہیں گھور رہے تھے۔

●

باب ۳

چند لمحے تک ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ آخر محمود نے نگاہیں جھکا کر کہا۔

"ابا جان! ہم سخت شرمندہ ہیں۔ ہمیں افسوس ہے ابا جان! ...... ہمیں معاف فرما دیں۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"ہوں! جاؤ معاف کیا، تم بھی کیا یاد کرو گے۔" اچانک انسپکٹر جمشید کی سنجیدگی رخصت ہو گئی، وہ دلکش انداز میں مسکرا دیے۔

"بہت بہت شکریہ!" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔ ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔

"یہ کیا کانا پھوسی ہو رہی ہے۔" بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔ وہ آنکھیں مل مل کر دیکھ رہی تھیں۔ غالباً ابھی ابھی انکی آنکھ کھلی تھی۔

"یہ خط پڑھنے یہاں آئے تھے۔ میں نے ان کی چوری پکڑ لی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"چوریاں پکڑنے کا ہی تو کام کرتے ہیں دن رات۔ بھلا ان بیچاروں کی کیا دال گلتی۔" بیگم جمشید نے ہنس کر کہا۔

"اچھا ابا جان! اب ہم چلتے ہیں۔" محمود نے کہا اور تینوں جانے کے لئے مڑے۔ اس دوران میں محمود خط دوبارہ تپائی پر رکھ چکا تھا۔

"کیا یہ خط پڑھ چکے ہیں؟" بیگم جمشید نے پوچھا۔

"نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔ پھر ان کی طرف مڑتے ہوئے بولے:

"ٹھہرو! کیا تم اس خط کو نہیں پڑھو گے۔"

"جی نہیں! ہمیں آپ کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔" محمود نے مڑتے ہوئے کہا۔

"شاباش! تم تینوں بہت سمجھ دار ہو۔" بولے۔

انہوں نے ایک بار پھر کمرے سے جانے کے لئے قدم اٹھائے۔ "ٹھہرو! سنو! میں ایک دو دن تک فیروز آباد جا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں، تم تینوں بھی میرے ساتھ چلو۔"

"فیروز آباد! لیکن کس لیے؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ پروگرام اس خط کے ملنے کے بعد بنا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ "کیا مطلب؟" تینوں چونکے۔

"میرا خیال ہے....." انسپکٹر جمشید کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"کیا خیال ہے آپ کا۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم اس خط کو پڑھ ہی لو۔ کیونکہ

میں نے پروگرام میں تم تینوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔ ہم آج سے تیسرے دن فیروز آباد کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ بس ایک فکر ہے کہ تمہاری تعلیم کا حرج ہو گا۔"

"اس طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ تین دن بعد سکول میں کھیلیں شروع ہو رہی ہیں۔ کھیلوں کے دوران پڑھائی نہیں ہو گی۔"

"اوہ! تب تو بہت ہی لطف رہے گا۔"

"آخر بات کیا ہے۔ کچھ ہمیں بھی تو بتائیے۔"

"بھئی اب میں کیا بتاؤں۔ تم خود ہی اس خط کو پڑھ لو گے۔"

"تو کیا ہم واقعی اسے پڑھ لیں۔" فاروق نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

"ہاں ہاں۔ بالکل۔"

محمود نے جوش کے عالم میں خط ایک بار پھر اٹھا لیا۔ اس میں سے کاغذ نکالا اور اسے کھولا۔ ایک مختصر سی تحریر اسے نظر آئی۔ اس کے ساتھ ہی فاروق اور فرزانہ بھی خط پر جھک پڑے۔ تحریر حد درجے عجیب تھی۔ شاید انہوں نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ عجیب خط آج تک نہیں پڑھا تھا۔ لکھا تھا:

"میں ایک چور ہوں اور فیروز آباد میں رہتا ہوں۔

میں نے فیروز آباد میں آج سے ایک سال پہلے ایک

چوری کی تھی۔ چوری فیروز آباد کے سب سے مالدار آدمی کے گھر کی
تھی اور اس کے تقریباً ایک لاکھ روپے کے زیورات چرا لیے تھے
آج تک پولیس لاکھ کوشش کے باوجود نہ مجھے گرفتار کر سکی۔ میں نے
تمہاری بہت تعریف سنی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں فیروز آباد آنے
کی دعوت دیتا ہوں۔ یہاں آکر چوری کا مال برآمد کر کے اور مجھے
گرفتار کر کے دکھا دو۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم قیامت
تک زیورات کا اور میرا پتا نہیں چلا سکتے۔ تمہیں فیروز آباد سے
ناکامی کا سامنا کرتے ہوئے واپس جانا ہو گا۔ جس دن تم
یہاں سے واپس جا رہے ہو گے تمہیں میری طرف سے چوری
کے زیورات میں سے ایک زیور تمہیں ملے گا کیونکہ یہاں تمہیں
دعوت دے کر میں خود بلا رہا ہوں۔ وہ زیور تمہارے اخراجات
اور تکالیف کا بل ہو گا۔

اور ہاں! اپنے تینوں ذہین بچوں کو ساتھ لانا نہ بھولنا۔ میں
نے ان کی بہت تعریف سنی ہے۔ میں انہیں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔
تمہاری شہرت کا پول کھول کے رہوں گا۔ اخبارات تمہارا
مذاق اڑائیں گے۔" (فیروز آباد کا چور)

تینوں نے اس عجیب و غریب خط کو بار بار پڑھا اور پھر
اپنے والد کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر ایک پُراسرار مسکراہٹ
کھیل رہی تھی۔

باب ۳

دوسرے دن انسپکٹر جمشید نے چھٹی کی درخواست ڈی آئی جی
صاحب کے سامنے رکھی تو انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"چھٹی کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"جی ایک چور کے ہاں میری دعوت ہے۔"

وہ مسکرائے

"کیا مطلب؟" ڈی آئی جی چونکے۔

"یہ ملاحظہ فرمائیے۔" انہوں نے جیب سے چور کا خط نکال
کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

ڈی آئی جی صاحب نے خط پڑھا اور حیران رہ گئے۔

"کمال ہے! آج کل مجرموں کی ہمت اتنی بڑھ گئی ہے۔ ضرور
یہ کوئی زندہ دل چور ہے۔"

"زندہ دل نہیں، شیخی خورا۔ اسے گھمنڈ ہے کہ ایک سال گزرنے
پر بھی کوئی اسے نہیں پکڑ سکا۔"

"تو تمہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ فیروز آباد والے جانیں۔"

"لیکن جناب اس نے مجھے للکارا ہے، نہ صرف مجھے بلکہ میرے بچوں کو بھی۔"

"چھوڑو بھی۔ گھٹیا لوگ ایسی حرکتیں کیا ہی کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، آپ نہیں چاہتے تو نہیں جاتا لیکن اتنا سوچ لیجئے کہ اگر اس نے اس قسم کے مضمون کا خط کسی اخبار میں چھپوا دیا اور نیچے یہ بھی لکھ دیا کہ اس کی دعوت کا کوئی جواب نہیں دیا گیا ہے تو لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو مجھ سے جلتے ہیں، وہ انگلیاں اٹھائیں گے۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ لاؤ میں رخصت منظور کیے لیتا ہوں، کب جا رہے ہو تم؟"

"جی دو دن بعد!" "کیوں دو دن بعد کیوں؟"

"دو دن بعد بچے فارغ ہو جائیں گے۔"

"ارے تو کیا انہیں بھی لے جانے کا ارادہ ہے۔" ڈی آئی جی صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔ "جی ہاں! چور نے انہیں بھی بلایا ہے۔"

"ہوں۔ اچھا۔" یہ کہہ کر وہ چھٹی کی درخواست پر لکھنے کے لئے جھک گئے۔

وہاں سے فارغ ہو کر وہ اپنے دفتر میں آئے اور ایک بار پھر چور کا خط نکال کر پڑھنے لگے۔ اسی وقت سب انسپکٹر

اکرام اندر داخل ہوا۔

"میں نے سنا ہے، آپ رخصت پر جا رہے ہیں۔"

"ہاں اکرام!"

"لیکن کیوں — کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"لو پڑھ لو تم بھی!" انہوں نے خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

اکرام نے خط پڑھا اور بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"یہ چور بھی عجب ستم ظریف ہے، اگر پکڑا نہیں گیا تھا تو اسے تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا، نہ کہ آپ کو دعوت دے بیٹھا۔"

"کچھ ہوتے ہیں ایسے بھی سر پھرے۔"

"تو کیا میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں" اکرام نے پوچھا۔

"نہیں! اگر ضرورت پڑی تو بلا لوں گا۔"

"جی اچھا! پھر آپ نے کیا سوچا ہے۔ آخر آپ اسے کیسے پکڑیں گے۔ واقعہ ایک سال پہلے کا ہے۔ اس کا سراغ لگانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ دو ایک دن کی بات ہوتی تو سراغ لگایا بھی جا سکتا تھا۔ موقعٔ واردات پر کچھ نشانات ڈھونڈے جا سکتے تھے لیکن ان حالات میں میں نہیں سمجھتا کہ آپ کس طرح اس تک پہنچیں گے۔"

"یہ کام مشکل تو ضرور ثابت ہو سکتا ہے لیکن ناممکن نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کیا آپ نے کوئی طریقہ سوچ لیا ہے؟"

"نہیں ابھی نہیں، وہیں جا کر جائزہ لوں گا۔"

"پھر بھی ۔۔۔ کچھ نہ کچھ تو آپ نے سوچا ہی ہو گا۔"

"ہاں!.... بہت سی باتیں ہیں۔ یہ تو سامنے کی بات ہے کہ میں فیروز آباد جا کر سب سے پہلے وہاں کے تھانے سے سارا ریکارڈ نکلواؤں گا۔ پھر زیورات کے مالک سے ملوں گا اور پوری تفصیل معلوم کروں گا۔"

"جی ہاں! یہ تو ظاہر ہی ہے۔" اکرام بولا۔

"اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟" اکرام نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ تم خود سوچو، اچھا میں جا رہا ہوں۔" وہ اسے الجھن میں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ گھر پہنچے تو تینوں بچے اور بیگم جمشید ناشتے کی میز پر ان کے منتظر تھے۔

"تم نیشنل پارک سے ہو آئے؟"

"جی ہاں! ابھی ابھی آئے ہیں ۔۔۔ چھٹی منظور ہو گئی ابا جان!"

"ہاں ہو گئی۔ تم تینوں پہلے ایک بات بتاؤ۔۔۔

بھلا ہم فیروز آباد جا کر سب سے پہلے کیا قدم اٹھائیں گے۔"

"سب سے پہلے تھانے سے معلومات حاصل کریں گے۔" محمود جلدی سے بولا۔

"ٹھیک! اور اس کے بعد؟"

"اس کے بعد زیورات کے مالک سے ملیں گے ۔۔۔" فرزانہ بولی۔

"بالکل ٹھیک! یہ دونوں باتیں تو سامنے کی ہیں اور ہر کوئی بتا سکتا ہے، کوئی اور اہم چیز جس سے ہم مدد لے سکیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"وہ کمرہ ۔۔۔ جس میں سے زیورات چرائے گئے۔ اور وہ تجوری۔" فاروق بولا۔

"اور کچھ۔ ایک بہت ہی اہم چیز ہے۔" تینوں سوچ میں ڈوب گئے۔ اچانک فاروق چونک کر بولا۔

"وہ چیز ہے چور کا خط ۔۔۔ یہی ایک ایسی اہم چیز ہے، جو ہمارے پاس موجود ہے۔ ورنہ چور کی شخصیت ڈھکی چھپی ہے۔"

"بہت خوب فاروق بہت اچھے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"واقعی ۔۔۔ ہمارا تو اس طرف خیال گیا ہی نہیں۔" فرزانہ نے تسلیم کیا۔

"ہوں۔ میں بھی نہیں سمجھ سکا۔" محمود بولا۔

"چور کی تحریر ہمارے پاس موجود ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

تیسرے دن صبح سویرے وہ ابھی سامان ہی باندھ رہے تھے کہ اخبار والا اخبار پھینک گیا۔ انسپکٹر جمشید نے اخبار اٹھا لیا اور اسے پڑھنے لگے۔ ایک جگہ پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھے۔ پھر بے ساختہ مسکرا دیے۔

"لو بھئی — چور نے تو اخبار میں بھی اشتہار دے دیا۔"

"کیا؟" — ان کے منہ سے نکلا اور تینوں اخبار پر جھپٹ پڑے۔

اخبار میں بھی وہی الفاظ تھے جو خط میں تھے البتہ نیچے اتنا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

"میں نے انسپکٹر جمشید کو ان الفاظ پر مشتمل ایک خط لکھا تھا جس کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیا میں سمجھ لوں کہ وہ ڈر گئے؟"

●

باب ۵

دولت آباد کے تھانے کی عمارت نئی تھی۔ تھانے دار کا نام نسیم نوری تھا۔ اس نے انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کو دیکھ کر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"ہم دارالحکومت سے آئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اسے بتایا۔

"اچھا۔ فرمائیے۔"

دولت آباد میں آج سے ایک سال پہلے چوری کی بہت بڑی واردات ہوئی تھی، کیا آپ کو یاد ہے؟"

"یاد کیوں نہ ہو گا صاحب۔ زیورات کے مالک نے تو ہمارا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ وہ بہت با اثر آدمی ہے لیکن ہم بھی مجبور تھے۔ چور نہ جانے زیورات لے کر کہاں غائب ہو گیا تھا۔ خدا جانے اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی ہم اسے پا سکے نہ زیورات کو۔ سیٹھ کریم بھائی نے تقریباً چھ ماہ تک خوب اودھم مچایا، ہماری بھی ان دنوں خوب شامت آئی۔ افسروں

نے ڈانٹوں پر ڈانٹیں پلائیں لیکن آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں، اس چوری سے آپ کا کیا متعلق۔ کیا وہ زیورات آپ نے چرائے تھے؟" اس نے خاموش ہو کر انہیں دیکھا۔

"ہم تو اس چوری کا سراغ لگانے کے لیے یہاں آئے ہیں۔" وہ اس جملے پر مسکرائے تھے۔

"جی! کیا فرمایا آپ نے۔ اس چوری کا سراغ لگانے آئے ہیں۔" نسیم نوری نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا۔

"ہاں کیوں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ ناممکن ہے۔"

"بالکل ناممکن ہے۔ ہم ایک سال پہلے جب واردات ہوئی تھی۔ اس کا سراغ نہ لگا سکے تو اس وقت یعنی ایک سال بعد بھلا کوئی کیسے سراغ لگا سکتا ہے۔" تھانے دار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ تھانے کی عمارت شاید نئی بنی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے عمارت پر نظر ڈالتے ہوتے کہا۔

"جی ہاں! ایک سال پہلے بنی تھی۔" نسیم نوری نے کمرے کے نئے فرش کو دیکھتے ہوئے فخر سے کہا۔

"اب ہم اس چوری کا ریکارڈ دیکھنا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آخر آپ کون ہیں اور اتنے عرصے بعد آپ کو اس چوری کا سراغ لگانے کا خیال کیسے آ گیا؟"

"یہ خیال مجھے نہیں، چور صاحب کو آیا ہے۔" انسپکٹر جمشید شریر انداز میں مسکرائے۔

"جی! کیا مطلب! چور کو خیال آیا ہے۔" نسیم نوری نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کہتے ہیں کہ خدا جانے چور کو زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا، حالانکہ چور فیروز آباد میں ہی موجود ہے۔"

"نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے متعدد جگہوں پر چھاپے مارے تھے۔"

"کچھ بھی ہو۔ چور یہیں موجود ہے اور میں اسے پکڑنے کے لئے آیا ہوں!"

"آپ ہیں کون۔ آخر آپ کا نام کیا ہے؟" نسیم نوری نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"کیا"! نسیم نوری اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

"آ۔۔۔آ۔۔۔آپ۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔ آپ!" وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔

"جی تشریف رکھیے نا۔ آپ کھڑے کیوں ہو گئے۔" انہوں نے
با اخلاق لہجے میں کہا۔

"معاف کیجئے گا انسپکٹر صاحب، مجھے معلوم نہیں تھا کہ کس
سے بات کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ بہت درشت
لہجے میں باتیں کی ہیں۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ میرا نام تو آپ کو معلوم ہو ہی گیا۔ یہ
تینوں میرے بچے، محمود فاروق....."

"اور فرزانہ ہیں۔ جی میں جانتا ہوں۔" نسیم نوری ان کا جملہ
پورا ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب آپ ہمیں اس کیس کا ریکارڈ
دکھا دیں۔"

"کیوں نہیں۔ میں تمام تفاصیل ابھی آپ کے سامنے رکھتا
ہوں۔ اس کے بعد آپ کو سیٹھ کریم کے ہاں لے جاؤں گا۔ وہاں
آپ موقعے کا معائنہ کر سکتے ہیں، لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں
آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ چوری کا سراغ لگانے کا خیال چور کو
آیا ہے۔"

"جی ہاں۔ یہ ملاحظہ فرمائیے۔"

انسپکٹر جمشید نے خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ خط
پڑھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پھر اس نے ریکارڈ نکال

کر دکھایا لیکن ان کاغذات سے صرف زیورات کی تفصیل، واردات
کی تاریخ اور شبہے کے تحت گرفتار کیے جانے والوں کے
بارے میں معلوم ہو سکا۔

"اس سے تو کوئی بات معلوم ہوتی نظر نہیں آتی۔ میرا خیال ہے
کہ سیٹھ کریم بھائی سے ہی ملنا پڑے گا۔"

"تو چلیے۔ میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں لیکن اس سے پہلے
چائے وغیرہ تو پی لیں۔"

"نہیں۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"اچھا تو میں ذرا اپنے ایک دو چھوٹے کام کر لوں۔
ابھی چند منٹ کے اندر آتا ہوں۔" یہ کہ کر نسیم نوری اٹھا اور
کمرے سے باہر نکل گیا۔

"پہلے مرحلے پر تو ہمیں ناکامی ہوئی ہے۔"
محمود بولا۔ "معلوم ہوتا ہے نسیم نوری نے کوئی خاص بھاگ
دوڑ نہیں کی تھی۔" فاروق نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ بالکل اناڑی ہو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں! یہ بھی ممکن ہے۔" محمود بولا۔

"چور بھی تو معمولی ذہانت کا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ اسے اپنے
اوپر حد سے زیادہ اعتماد ہے، اسی لیے تو اس نے مجھے خط لکھنے
کی جرأت کی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہوں! لیکن ابا جان اس کا اپنے اوپر اس حد تک اعتماد کرنا ہی اسے لے ڈوبے گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجرم چاہے کتنا ہی عقل مند کیوں نہ ہو، چالاک کیوں نہ ہو، اس سے کوئی نہ کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے اور یہ خط لکھنا اس کی بہت زبردست غلطی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ نسیم نوری صاحب کہاں رہ گئے؟" — محمود نے کمرے سے باہر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ باہر موسم بہار کی خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

کچھ دیر تک وہ اسی طرح باتیں کرتے رہے۔ پھر نسیم نوری اندر داخل ہوا۔

"معافی چاہتا ہوں۔ ذرا مجھے دیر لگ گئی۔" اسے نے کہا۔

وہ اس کے ساتھ باہر نکلے۔ یہاں جیپ تیار کھڑی تھی۔ نسیم نوری نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو انسپکٹر جمشید بولے:

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم ٹیکسی سے چلیں گے۔"

"کیوں! جب جیپ موجود ہے تو ٹیکسی کی کیا ضرورت ہے؟"

"جیپ آپ کو سرکاری کاموں کے لیے ملی ہے اور اس وقت آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں اور میں سرکاری طور پر اس کیس کی تفتیش نہیں کر رہا ہوں۔ غیر سرکاری کاموں کے لیے ...... سرکاری جیپ استعمال کرنا جائز نہیں۔"

"اوہ!" نسیم نوری کے منہ سے نکلا۔ وہ انہیں ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔

آخر وہ سڑک پر نکل آئے۔ نسیم نوری نے پاس سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ عین اس وقت ایک لڑکا ان کے پاس پہنچا اور انسپکٹر جمشید کی طرف ایک لفافہ بڑھا کر بولا۔

"کوئی صاحب یہ آپ کو دینے کا کہہ گئے ہیں۔" یہ کہہ کر لڑکا سڑک پار کر کے بھیڑ میں گم ہو گیا۔

انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں لفافے میں سے کاغذ نکالا۔ لکھا تھا۔

"مجھے تمہارے آنے کی بہت خوشی ہوئی ہے انسپکٹر جمشید، میرا خیال تھا، تم نہیں آؤ گے۔ اب آئے گا زندگی کا صحیح لطف!"

فیروز آباد کا چور۔

باب ۶

ایک بہت بڑی کوٹھی کے سامنے وہ ٹیکسی سے اترے۔ نسیم نوری نے کوٹھی کے دروازے پر لگا بٹن دبایا۔ اندر کہیں گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ چند سیکنڈ بعد ہی ایک ڈاڑھی والے بوڑھے آدمی نے دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھوں پر نظر کی عینک لگی تھی، ناک لمبی تھی۔ اس نے پلکیں جھپک جھپک کر انہیں دیکھا۔ جیسے کسی عجیب و غریب مخلوق کو دیکھ پایا ہو۔ پھر کہنے لگا۔

"میرا نام ایماندار خان ہے۔ آپ لوگ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟"

وہ اس کا نام اور اگلا جملہ سن کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ نسیم نوری نے جلدی سے کہا۔

"بابا ایماندار خان! تم نے مجھے پہچانا نہیں، میں فیروز آباد کا تھانیدار ہوں اور ہم لوگ سیٹھ کریم بھائی سے ملنے آئے ہیں۔"

"تھانے دار صاحب۔ اوہ۔ اب یاد آیا۔ ایک سال پہلے آپ کا ہمارے ہاں کچھ زیادہ ہی آنا جانا تھا۔ تو کیا سیٹھ صاحب

کے زیورات مل گئے ہیں۔ آپ نے چوروں کو پکڑ لیا۔ تو یہ زیورات کے چور ہیں؟" بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

"ارے نہیں بڑے میاں! یہ بات نہیں ہے۔ بہر حال تم سیٹھ صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع دو۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ کمرہ بڑے سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ اور فرش پر ایک بہت ہی قیمتی، موٹا قالین بچھا تھا۔ دیواروں پر بڑی بڑی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔

"آپ لوگ یہاں تشریف رکھیں، میں سیٹھ صاحب کو خبر کرتا ہوں۔" ایماندار خان نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔"

بوڑھا کمرے سے نکل گیا۔ محمود بول اٹھا۔

"اس ملازم کا نام کس قدر عجیب ہے۔ ایماندار خان۔"

"ہاں جو بھی اس کا نام سنتا ہے ہنس پڑتا ہے، ویسے یہ ہے بھی بہت ایماندار، بس ذرا نظر کمزور ہے، اس گھر میں تقریباً ڈیڑھ سال سے ملازم ہے۔"

"سیٹھ کریم بھائی کافی دولت مند لگتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کمرے کے ساز و سامان کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"جی ہاں لکھ پتی آدمی ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ کوٹھی نئی بنوائی ہے" فاروق بولا۔

"جی ہاں! یہ ابھی چھ ماہ پہلے ہی مکمل ہوئی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا، جن دنوں چوری ہوئی، یہ عمارت بن رہی تھی" محمود نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ اس کوٹھی سے پہلے وہ ایک حویلی میں رہتے تھے۔ تقریباً ایک سال پہلے ہی اس کوٹھی میں منتقل ہوئے ہیں" نسیم نوری نے بتایا۔

"کیا انہوں نے وہ حویلی فروخت کر دی" انسپکٹر جمشید نے چونک کر پوچھا۔

"جی۔ جی نہیں تو۔ بھلا انہیں بیچنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کے پاس دولت کی کیا کمی ہے۔"

"تو وہ بند پڑی رہتی ہو گی۔" "جی ہاں۔"

"زیورات کی چوری اس کوٹھی میں ہوئی تھی یا حویلی میں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔ ان کے چہرے پر جوش کی حالت طاری ہو گئی تھی اور محمود، فاروق، فرزانہ ان کو اس عالم میں دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔

"چوری اس کوٹھی میں ہوئی تھی۔ ان دنوں سیٹھ کریم بھائی اس میں اٹھ آئے تھے، لیکن اس وقت کوٹھی مکمل طور پر نہیں بنی تھی، کچھ کام باقی تھا" نسیم نوری نے بتایا۔

"ہوں! تو کیا آپ نے زیورات اس حویلی میں تلاش کئے تھے؟" انسپکٹر جمشید نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"جی! حویلی میں۔ لیکن زیورات کا حویلی میں کیا کام۔ کیا آپ کا خیال ہے، چور نے سیٹھ صاحب کے زیورات چرا کر انہی کی حویلی میں چھپا دیے ہوں گے؟" نسیم نوری نے گڑبڑا کر کہا۔

"اس بات کا زبردست امکان ہے، تو آپ نے حویلی میں نہیں دیکھا۔"

"جی۔ جی نہیں۔ میرا تو اس طرف خیال تک نہیں گیا۔"

اسی وقت انہیں قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ خاموش ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ کمرے میں داخل ہونے والے سیٹھ کریم بھائی ہی تھے۔ ان کا چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ ناک بہت لمبی اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ انہوں نے انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"السلام علیکم سیٹھ صاحب!" نسیم نوری کے منہ سے نکلا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"وعلیکم السلام! تھانے دار جی! یہ آپ کے ساتھ کون لوگ ہیں" سیٹھ کریم بھائی نے کہا — اس پر انسپکٹر جمشید نے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے جمشید کہتے ہیں اور یہ تینوں میرے بچے ہیں۔"

"تشریف رکھیے۔" سیٹھ کریم بھائی نے کہا اور خود بھی صوفے
پر بیٹھ گئے۔ وہ نسیم نوری کو ناخوشگوار نظروں سے دیکھ رہے
تھے۔ شاید انہیں ایک سال پہلے چوری ہونے والے وہ
زیورات یاد آگئے تھے، جن کا آج تک سراغ نہیں ملا تھا۔

"آپ کو یاد ہے سیٹھ صاحب! ایک سال پہلے آپ کے
زیورات چوری ہو گئے تھے۔" نسیم نوری نے کہنا شروع کیا۔

"تو..... تو کیا وہ مل گئے؟" انہوں نے چونک کر کہا۔

"جی۔ جی نہیں۔ ابھی ملے تو نہیں..... البتہ....."

"تو پھر ان کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" سیٹھ کریم
بھائی کا منہ لٹک گیا۔

"مسٹر جمشید یہاں آپ کے زیورات برآمد کرنے کے لئے
آئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"جی ہاں! یہ آپ کے زیورات اور چور کو تلاش کرنا چاہتے
ہیں۔"

"لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے بعد انہیں چور اور زیورات
کا خیال کیسے آگیا؟"

"یہ خیال ان کو نہیں۔ چور کو آیا ہے۔"

"کیا آپ مذاق کے موڈ میں ہیں؟" سیٹھ کریم بھائی نے برا

سا منہ بنا کر کہا۔

"ٹھہریے نوری صاحب! میں خود انہیں بتاتا ہوں۔" انسپکٹر
جمشید نے کہا، پھر سیٹھ کریم بھائی کی طرف رخ کر کے بولے!

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے زیورات مل جائیں اور چور
کو پکڑ لیا جائے؟"

"بھلا میں کیوں نہ چاہوں گا۔ میں تو ان زیورات کو تلاش
کرنے والے کو ایک چوتھائی حصہ تک دینے کو تیار ہو گیا تھا۔"

"مجھے آپ کے چوتھائی حصے سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"تو پھر آپ کو کس چیز سے دلچسپی ہے؟" سیٹھ کریم بھائی
نے حیران ہو کر پوچھا۔

"چور سے....." انسپکٹر جمشید کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

اسی وقت دروازہ کھلا تھا۔ سب نے چونک کر دروازے
کی طرف دیکھا۔ وہاں سیاہ کپڑوں میں ملبوس ایک شخص سر پر
ہیٹ اوڑھے اور آنکھوں پر سیاہ عینک لگائے دروازے میں
تنا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک پستول تھا جسکی نال انکی طرف
اٹھی ہوئی تھی۔

وہ دھک سے رہ گئے۔

●

باب ۲

"آصف یہ کیا مذاق ہے، دیکھتے نہیں یہاں کچھ مہمان بیٹھے ہیں۔" سیٹھ کریم بھائی نے دروازے میں کھڑے سیاہ پوش سے چلا کر کہا، ان کے چہرے پر ناگواری کی شکنیں ابھر آئی تھیں۔

"اوہ! مہمان۔ وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں، لیکن اس وقت مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔" اس نے آگے آتے ہوئے کہا۔

"بعد میں بات کرنا، میں اس وقت بہت ضروری گفتگو کر رہا ہوں۔"

"جی نہیں، میرا کام پہلے۔" اس نے اٹل لہجے میں کہا۔

"جلدی بکو، کیا بات ہے۔" انہوں نے جھنجھلا کر کہا۔

"مجھے اس وقت دو ہزار روپے کی ضرورت ہے۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"رسید لکھ دو ــــ میں چیک لکھے دیتا ہوں۔" سیٹھ کریم نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہ ہوئی نا بات، مجھے معلوم تھا کہ آپ انکار نہیں کریںگے۔ اس لئے میں رسید پہلے ہی لکھ لایا ہوں، یہ لیجئے۔" اس نے جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ سیٹھ کریم بھائی نے کاغذ لیا، اسے سرسری نظر سے دیکھا، اسے میز پر رکھا اور جیب سے چیک بک نکالتے ہوئے میز پر رکھ کر چیک لکھنے لگے۔

انسپکٹر جمشید اور تینوں بچے حیرت زدہ ہو کر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ معاملہ بالکل نہیں آیا تھا۔ ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوال سر اٹھا رہے تھے۔

سیٹھ کریم بھائی نے چیک لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا اور بولے۔

"یہ لو اور دفع ہو جاؤ۔"

"ابھی ہو جاتا ہوں، مانتے ہیں نا انکل، آخر آپ کا بھتیجا ہی ٹھہرا۔ آپ سے پیسے نکلوا ہی لیے نا۔ اور پھر اس قصبے میں مجھ سے بڑا جاسوس کون ہو سکتا ہے۔" اس نے بیہودہ انداز میں کہا۔

"جاسوس کے بچے! اب یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ ورنہ بری طرح پیش آؤں گا۔"

"وہ تو آپ آتے ہی رہتے ہیں۔ اچھا انکل ضرورت پڑنے پر پھر آپ کو تکلیف دوں گا۔"

"ٹھہرو! ایک بات سنتے جاؤ، رات کو دس بجے سے پہلے

گھر آ جایا کرو۔ ورنہ دروازہ بند ملا کرے گا" سیٹھ کریم بولے۔

"کوئی بات نہیں میں دیوار پھاندنا جانتا ہوں" وہ زور سے ہنسا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"معاف کیجئے گا۔ انسپکٹر صاحب، یہ میرا نالائق بھتیجا ہے۔ آوارہ ہے۔ جواری ہے"

"اس کے ماں باپ کہاں ہیں"

"اس کی ماں تو بچپن میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ البتہ اس کا باپ، یعنی میرا چھوٹا بھائی لاپتا ہے" سیٹھ کریم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"لاپتا ہے۔ کیا مطلب؟"

"یہ ابھی دس سال کا تھا کہ ایک رات وہ گھر سے غائب ہو گیا"

"اوہ! کیا آپ نے اسے تلاش کرانے کی کوشش نہیں کی" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"یہ آج سے دس سال پہلے کی بات ہے۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی تھی، لیکن وہ کہیں نہیں مل سکا۔ اس دن سے میں اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا ہوں کہ نہ جانے کب اس کا باپ آ جائے۔ جاتے وقت وہ اپنی ساری نقدی اپنے کمرے کی تجوری میں چھوڑ گیا تھا اور چابیاں تجوری میں لگی ملی تھیں۔ یہی

بڑا ہونے پر آصف آوارہ ہو گیا۔ اب ہر وقت جوا کھیلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی مجھ سے پیسے مانگتا ہے تو میں اس سے رسید لکھوا لیتا ہوں، تاکہ کل اگر اس کا باپ لوٹ آئے تو میں اسے حساب دے سکوں"

"آپ اسے سمجھاتے کیوں نہیں"

"دن رات سمجھاتا رہا ہوں۔ لیکن سمجھنے کی منزل سے گزر چکا ہے۔ اپنے آپ کو قصبے کا سب سے بڑا جاسوس کہتا ہے اور اعلانیہ کہتا پھرتا ہے کہ کسی دن جاسوسی کا اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دوں گا کہ ساری دنیا دنگ رہ جائے گی"

"آپ کے پاس اپنے بھائی کی کوئی تصویر ہو گی"

"جی ہاں، کئی ہوں گی۔ آپ کو دکھاؤں گا" سیٹھ کریم بھائی نے کہا۔ "ان کا نام کیا تھا"

"عظیم! ہاں تو ہم کیا بات کر رہے تھے" سیٹھ کریم بھائی نے دوبارہ پہلی بات پر آنے کے لئے کہا۔

"بات ہو رہی تھی زیورات کے چوری کی، مجھے تو صرف چور سے دل چسپی ہے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی"

"بات آپ کی سمجھ میں یہ خط دیکھے بغیر نہیں آئے گی" انسپکٹر جمشید نے کہا اور خط نکال کر ان کو تھما دیا۔ جوں

جوں جوں وہ خط پڑھتے گئے، ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اُف خدا! تو آپ وہ انسپکٹر جمشید ہیں، ارے مجھے معاف فرمائیں، آپ نے آتے ہی اپنا تعارف کیوں نہیں کرایا۔" سیٹھ کریم بھائی نے جوش کی حالت میں کپکپاتے ہوتے کہا۔

"تھانیدار صاحب نے آپ کو میرا نام بتایا تو تھا"

"لیکن اس وقت انہوں نے تفصیل نہیں بتائی تھی۔ تو یہ تینوں آپ کے بچے محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں؟"

"جی ہاں!"

"میں نے ان کے کارناموں کے بارے میں اخبارات میں پڑھا ہے۔ آپ سے اور ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ اب مجھے امید ہے کہ زیورات ضرور مل جائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے سیٹھ کریم بھائی نے میز کے پائے میں لگی گھنٹی کا بٹن دبایا۔

دوسرے ہی لمحے ایماندار خان اندر داخل ہوا۔

"کیا حکم ہے سرکار؟"

"فوراً چائے لے کر آؤ۔"

"ارے ارے۔ اس کی ضرورت نہیں" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا لیکن ایماندار خاں جا چکا تھا۔

اسی وقت محمود کی نظر فرزانہ پر پڑی اور وہ حیران رہ گیا۔

فرزانہ میز پر رکھی اس رسید کو گھور رہی تھی جو ابھی ابھی آصف سیٹھ کریم بھائی کو دے گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ جوش کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے اس نے کوئی خاص بات معلوم کر لی ہو۔ وہ بھی رسید پر جھک گیا۔ فاروق نے اس تبدیلی کو فوراً محسوس کیا اور ان دونوں کے ساتھ اس کی نظریں بھی رسید پر جم گئیں۔ اچانک ان دونوں کے منہ سے نکلا۔

"اوہ!"

ساتھ ہی ان کی آنکھیں بھی حیرت کے مارے پھیلتی چلی گئیں۔ انسپکٹر جمشید ان کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے دیکھا وہ تینوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس رسید کو دیکھ رہے تھے۔

انہیں اس عالم میں دیکھ کر انسپکٹر جمشید کی حیرت کا ٹھکانا نہ رہا۔

باب ۸

"کیا بات ہے ۔۔۔ تم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس رسید کیطرف کیوں دیکھ رہے ہو" انہوں نے پوچھا۔

"ابا جان .... اس رسید کو غور سے دیکھئے ۔۔۔ کیا یہ تحریر چور کی تحریر سے ملتی جلتی نہیں ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔ پھر انہوں نے جیب سے خط نکال کر اس رسید کے برابر رکھ دیا اور سب کے سب اس پر جھک گئے۔ اچانک نسیم نوری کے منہ سے نکلا:

"خدا کی قسم .... یہ دونوں تحریریں ملتی جلتی ہیں .... اس کا مطلب ہے .... آصف ہی چور ہے۔"

"تحریریں ملتی جلتی ضرور ہیں، لیکن ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ واقعی ایک ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولا۔

"تو پھر ۔۔۔ اس کا فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔" سیٹھ کریم بھائی نے بے تابی سے پوچھا۔

"میں ان دونوں تحریروں پر آج رات غور کروں گا۔ اگر کسی

نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو تحریروں کے کسی ماہر سے مشورہ لیا جائیگا۔ اس کے علاوہ آصف سے بھی سوالات کرنے ہوں۔ کیا وہ اس وقت گھر میں ہوگا۔"

"جی نہیں ۔۔۔ وہ گھر میں نہیں ٹکتا۔ پیسے لیتے ہی کسی جوا خانے میں چلا گیا ہوگا ۔۔۔ اب رات کو دس بجے سے پہلے اسکی واپسی نہیں ہوگی!"

"خیر کوئی بات نہیں ۔۔۔ ہم اس کی واپسی کا انتظار کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرا خیال ہے ۔۔۔ اب وہ واپس نہیں آئیگا۔ خود ہی جا کر اسے گرفتار کرنا ہوگا۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" فرزانہ بولی۔

"اگر چور وہی ہے اور یہ خط اسی نے لکھا ہے تو اس صورت میں تو وہ ضرور واپس آئے گا ۔۔۔ ورنہ وہ چور ثابت ہو جائیگا۔ جب کہ اس کا دعوٰی یہ ہے کہ اسے نہیں پکڑا جا سکتا" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خیر دیکھا جائے گا ۔۔۔ کہ کس کا خیال درست نکلتا ہے۔" نسیم نوری نے اکڑ کر کہا۔

"اب ہم کیا کریں۔" محمود نے پوچھا۔

"ہم آصف کے کمرے میں اس کا انتظار کریں گے ۔۔۔۔

سیٹھ صاحب .... آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ___"

"بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے ___ میں آپ لوگوں کے لئے کمرے ٹھیک کرنے کے لئے ایماندار خان سے کہے دیتا ہوں ___ آپ جب چاہیں ان میں جاکر آرام کر سکتے ہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو گھنٹی بجاکر ایماندار خاں کو بلا سکتے ہیں ___"

"ہمارے لئے صرف ایک ہی کمرہ کافی ہوگا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ___ چار آدمی ایک کمرے میں ___"

"اوہ ہاں ___ یہ بھی ٹھیک ہے ___ تو دو کمرے ٹھیک کرادیں ___ ایک میں میں تنہا رہوں گا اور دوسرے میں یہ تینوں"

"بہت اچھا ___"

"آپ جاکر آرام کر سکتے ہیں ___ ہم آصف سے ملاقات کیے بغیر نہیں سوئیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی اچھا۔" سیٹھ کریم بھائی نے کہا اور اٹھ کر چلے گئے ___

"اور جناب .... نسیم نوری صاحب .... آپ بھی جا سکتے ہیں۔ ہم صبح آپ کو تمام حالات سے باخبر کردیں گے۔"

"میں صبح آصف کو گرفتار کرنے کے لئے آؤں گا .... مجھے یقین ہو چلا ہے کہ چور وہی ہے۔" نسیم نوری نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ابھی اتنے یقین سے نہ کہیے ___ ہو سکتا ہے، ہمارے

اندازے غلط ہوں ___"

"نہیں جناب ___ دونوں تحریریں اس حد تک مل رہی ہیں کہ اب اس میں مجھے شک نہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں ___ دیکھا جائے گا۔ اگر آصف چور ہے تو وہ بچ نہیں سکے گا۔"

"تو پھر میں چلا ___ خدا حافظ۔" نسیم نوری نے کہا۔

"خدا حافظ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

نسیم نوری کے جانے کے بعد وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انسپکٹر جمشید بولے:

"اب ہم آصف کا انتظار اس کے کمرے میں کریں گے۔"

"جی ہاں ___ یہ ٹھیک رہے گا۔"

انہوں نے ایماندار خاں کو بلایا اور اس سے کہا کہ انہیں آصف کے کمرے میں پہنچادے ___ ایماندار خاں نے آصف کے کمرے میں چھوڑ کر آنے سے پہلے انہیں ان کے کمرے بھی دکھا دیے ___ تاکہ وہ خود جاکر سو سکے۔ انہوں نے ایماندار خاں کا شکریہ ادا کیا اور آصف کے کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے میں بے سرو سامانی تھی۔ ہر چیز بے ترتیبی کا شکار تھی۔ صاف نظر آتا تھا کہ آصف بہت لاپروا اور آوارہ ہے۔

"کیا خیال ہے .... ابا جان ___ کیا آصف ہی چور ہے۔"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا —"

"اگر آصف چور نہیں ہے تو پھر کون ہو سکتا ہے — ظاہر ہے کہ اور کون ہو گا جو آصف کی تحریر کی نقل کر سکتا ہے —" محمود نے کہا۔

"اتفاق سے بھی تو دو تحریریں آپس میں مل سکتی ہیں۔"

"ہاں — یہ بھی ہو سکتا ہے —"

"ویسے جس انداز سے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں یہ سارا چکر اسی کا چلایا ہوا ہے۔" فاروق بولا۔

"اس کے والد کے بارے میں بھی الجھن ہے — آخر وہ کہاں چلا گیا۔ وہ اپنے بیٹے اور گھر بار کو چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔" فرزانہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب — یہ بات واقعی سوچنے والی ہے — اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آصف کا والد عظیم گھر سے کیوں غائب ہو گیا تھا تو ہم اس راز کو حل کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

عین اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی — وہ خاموش ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

شاید آصف آ رہا تھا۔

باب ۹

کمرے کا دروازہ کھلا اور آصف اندر داخل ہوا لیکن پھر دھک سے وہ گیا۔ اس کی آنکھیں ان پر جم کر رہ گئیں۔

"آپ لوگ ... اور یہاں — کیا یہ کمرہ آپ کو دے دیا گیا ہے — میں جانتا ہوں ... چچا جان مجھے اچھا نہیں سمجھتے .. وہ مجھ سے جلتے ہیں، اسی لئے انہوں نے میرا کمرہ آپ کو دے دیا ہو گا — خیر کوئی بات نہیں۔ میں تو کسی بھی کمرے میں پڑ کر سو سکتا ہوں —"

"مسٹر آصف — یہ بات نہیں ہے — تشریف لے آیئے۔ دراصل ہمیں آپ سے کچھ باتیں کرنا تھیں۔ اس لئے آپ کے آنے سے پہلے ہی یہاں آ بیٹھے تھے —" انسپکٹر جمشید نے خوش اخلاق انداز میں کہا۔

"مجھ سے باتیں کرنی ہیں .... آپ لوگ آخر کون ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں — میں آپ کو ڈرائنگ روم میں دیکھ چکا ہوں —"

"ہاں — ہم اس گھر میں مہمان ہیں — تمہارے چچا جان کی ایک سال پہلے ایک لاکھ روپے کی چوری ہوئی تھی .... ہم اسی کا سراغ لگانے آئے ہیں —"

"ایک سال بعد —" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں — چور کی یہی خواہش ہے —" یہ کہہ کر انہوں نے آصف کو بھی چور کا خط دکھایا — اس نے پڑھا اور دنگ رہ گیا — آخر بولا۔

"میں سمجھ گیا — تو آپ انسپکٹر جمشید ہیں... اور یہ آپ کے بچے ہیں — اوہ خدا — میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا ہے — مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی خوشی ہوئی —" یہ کہہ کر اس نے گرمجوشی سے ان سے ہاتھ ملایا۔ پھر بولا:

"لیکن آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"آپ بھی آخر اس گھر کے فرد ہیں اور جس گھر میں چوری ہوتی ہے .... اس گھر کے ہر فرد سے سوالات کیے جاتے ہیں۔"

"بہت خوب — تو آپ مجھ سے سوالات کرنے آئے ہیں لیکن ایک سال پہلے ہونے والی چوری کے بارے میں بھلا میں کیا بتا سکوں گا"

"بہت کچھ — آپ نے چور کا خط تو پڑھ ہی لیا ہے۔"

"جی ہاں"

"اب اپنی اس رسید کو بھی پڑھ کر دیکھ لیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور رسید نکال کر اس کی طرف بڑھا دی —

"اسے پڑھ کر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے — یہ تو میرے ہاتھ کی ہی لکھی ہوئی ہے — میں آپ کے سامنے ہی تو چچا جان سے پیسے لے گیا تھا — وہ مجھ پر احسان نہیں کرتے، میرے باپ کی دولت میں سے دیتے ہیں۔ آخر اپنے باپ کی دولت کا میں ہی حق دار ہوں —"

"میرا اشارہ اس طرف نہیں ہے۔ آپ ان دونوں تحریروں کو غور سے دیکھیں — پھر آپ جان جائیں گے کہ دراصل میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

آصف نے حیران ہو کر دونوں تحریروں کو دیکھا اور پھر چونک اٹھا۔

"اوہ — یہ دونوں تحریریں تو آپس میں ملتی جلتی ہیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں — یہی میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔ اب آپ بتائیں — کیا یہ خط آپ نے ہی مجھے لکھا تھا اور کیا آپ نے ہی ایک سال پہلے چوری نہیں کی تھی۔"

"جی — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — میں اور چور —"

اس نے تقریباً چلا کر کہا۔

"یہ..... یہ.. ضرور مجھے کسی نے پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے میری تحریر کی نقل اتاری ہے۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو..... لیکن شک کی وجہ سے آپ کو گرفتار ضرور کیا جا سکتا ہے۔ میں دونوں تحریروں کو......

...... ماہر کے پاس بھیج دوں گا۔ اگر یہ رپورٹ موصول ہو گئی کہ دونوں تحریریں ایک ہاتھ کی ہیں تو پھر آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا، ورنہ آپ بے گناہ ثابت ہو جائیں گے۔ میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آپ قصبے کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ اگر آپ نے فرار ہونے کی کوشش کی تو آپ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔" انسپکٹر جمشید تیز لہجے میں کہتے چلے گئے۔

"بہت..... بہت..... بہتر!" اس نے ہکلا کر کہا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"آپ کو اپنے والد کے بارے میں کیا معلوم ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"میں دس سال کا تھا جب وہ اس گھر سے چلے گئے تھے۔ اس کے بعد سے آج تک میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ان کی صورت دھندلی سی مجھے یاد ہے۔۔"

"ہوں۔۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ گھر چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے؟"

"جی نہیں۔۔ میں بھلا کیا بتا سکتا ہوں۔۔ البتہ چچا جان ضرور جانتے ہوں گے مگر انہوں نے مجھے کبھی نہیں بتایا۔۔" آصف نے کہا۔

"اچھا خیر۔۔ اب ہم چلتے ہیں۔ میں ایک بار پھر کہے دیتا ہوں کہ فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ چور در اصل تم خود ہو۔۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔۔ جاؤں بھی کیوں جب کہ میں چور نہیں ہوں۔"

وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ اس نے ان کے باہر نکلنے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"اب تم تینوں بھی آرام کرو۔۔ میں دونوں تحریروں کا اچھی طرح جائزہ لوں گا اور صبح ضرور کسی نتیجے پر پہنچ جاؤں گا۔"

"جی اچھا۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

دوسری صبح وہ ناشتے کی میز پر موجود تھے کہ نیم نوری آ پہنچا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

"کیا رات آصف سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"ہاں! وہ دس بجے آ گیا تھا۔"

"تو پھر.... بگھارا — کیا میں اسے گرفتار کر لوں؟"

"نہیں — ابھی نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیوں ابھی کیوں نہیں — میں تو اس کی گرفتاری کا انتظام کر کے آیا ہوں — کانسٹیبل باہر موجود ہیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں — میرا خیال ہے کہ آصف چور نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

باب ۱۰

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آصف چور نہیں ہے۔" نسیم نوری نے حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں۔ میرا خیال ہے، وہ چور نہیں ہے۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے، رات اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی رسید چور کے خط سے بالکل مل گئی تھی۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ میں رات کے وقت کافی دیر تک دونوں تحریروں کو دیکھتا رہا ہوں۔ وہ بے شک ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ چور نے آصف کی تحریر نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"آخر چور کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وہ اپنی ذہانت کا ڈھنڈورا پیٹنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اخبارات میں یہ خبر شائع کرا دے کہ انسپکٹر جمشید بھی اسے نہیں پکڑ سکا۔ لیکن اب شاید اس کے برے دن آ گئے ہیں۔"

"ابا جان! میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" محمود بول اٹھا۔

"کیا بات ہے بیٹا!"

"ابا جان! اس وقت تک اس کیس میں ہمیں کام کرنے کا قطعاً موقع نہیں ملا۔ ہمارا آپ کے ساتھ آنا بے کار ثابت ہو رہا ہے.... اس لیے ... اس لیے ... میں" محمود کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اس لیے کیا — کہو، تم رک کیوں گئے؟"

"اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اب اس کیس پر مکمل طور پر ہم کام کریں گے، آپ صرف دیکھیں گے کہ ہم کیا کرتے ہیں" فاروق بول پڑا۔

"بالکل ٹھیک — میں بھی کل سے یہی کہنا چاہ رہی تھی" فرزانہ چہکی۔

"تو پھر کہہ کیوں نہیں دیا۔ منہ میں گھنگنیاں کیوں ڈالے بیٹھی رہیں" فاروق نے جل کر کہا۔

"تمھارے بولنے کا انتظار کر رہی تھی" فرزانہ مسکرائی۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ابھی تک تمھیں کچھ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ... ... چلو ٹھیک ہے۔ اس وقت سے اس کیس کے انچارج تم تینوں ہو۔ جو تمھارے جی میں آئے کرو۔ میں صرف نگرانی کرتا رہوں گا کہ کہیں تم کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھو۔"

"ویری گڈ — آپ نے جی خوش کر دیا" فرزانہ چلائی۔

"ابا جان! ہم آپ کے شکر گزار ہیں" محمود بولا۔

"اور اب ہم اجازت چاہتے ہیں۔ ہم ایک کمرے میں جنگامی اجلاس منعقد کرنے جا رہے ہیں، وہاں ہم طے کریں گے کہ اب ہم تینوں کو کیا کرنا ہے"

"بہت خوب — مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن نوری صاحب سے اجازت لے لو اور جہاں بھی جاؤ بتا کر جاؤ — ایسا نہ ہو کہ چور تم تینوں کو غائب کر دے اور ہم زیورات کو بھول کر تمھیں ڈھونڈتے پھریں، کیوں کہ یہ تو تم جانتے ہو کہ چور اس جگہ نہ صرف موجود ہے۔ بلکہ ہم سے واقف بھی ہے اور اسے ہمارے یہاں آنے کا پتا چل چکا ہے" انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! یہ بات تو اس کے دوسرے خط سے ثابت ہو جاتی ہے" محمود بولا۔

"اچھا تو انکل — کیا ہم جائیں" فاروق شریر انداز میں نسیم نوری کی طرف مڑا۔

وہ اس وقت تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان تینوں کو اس طرح دیکھتا رہا تھا جیسے کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ چونک کر بولا "میرا خیال ہے، پہلے ہمیں چل کر آصف کو دیکھ لینا چاہیے — کہ وہ اپنے کمرے میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر وہ

چور نہیں ہے تو ضرور اپنے کمرے میں موجود ہوگا۔" نسیم نوری نے تجویز پیش کی۔

"تو چلیے ـــ پہلے اسے ہی دیکھ لیتے ہیں۔" محمود نے حامی بھری۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے لیکن انسپکٹر جمشید بیٹھے رہے۔

"کیا آپ نہیں چلیں گے۔" نسیم نوری نے پوچھا۔

"مجھے تو بچوں نے ریٹائر کر دیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ایسے انداز میں کہا کہ تینوں بے ساختہ ہنس پڑے۔

تینوں نسیم نوری کے ساتھ کمرے سے نکلے۔ ایماندار خاں برآمدے سے ادھر ہی آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے جناب۔ خیریت تو ہے۔" اس نے ان کو اس طرح نکلتے دیکھ کر کہا۔

"ہم مسٹر آصف کے کمرے کی طرف جا رہے ہیں کیا وہ اپنے کمرے میں ہے۔"

محمود نے اس سے سوال کیا۔

پتا نہیں ـــ کمرے کا دروازہ تو بند ہے ایماندار خان نے جواب دیا۔

"یہ چھوٹا سا قافلہ آصف کے کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا۔ محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ دستک دینے کے بعد وہ

کچھ دیر تک انتظار کرتے رہے۔ جب دروازہ نہ کھلا تو فاروق نے قدرے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب پھر بھی نہ ملا۔ اب تو وہ پریشان ہو گئے اور لگے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑانے۔ اس پر بھی کچھ نہ ہوا تو ایماندار خان بولا۔ اس کمرے کی کھڑکی باہر باغ کی طرف کھلتی ہے کیوں نہ اسے دیکھا لیا جائے۔"

"ٹھیک ہے ـــ اگر وہ بھی بند ہو تو دروازہ توڑا جائیگا۔"

"تو کیا میں کھڑکی کو دیکھوں۔" ایماندار خان بولا۔

ہاں ـــ جلدی جاؤ ـــ فاروق تم اس کے ساتھ چلے جاؤ۔" محمود نے کہا۔

"اچھا"

دونوں تقریباً دوڑتے ہوئے چلے گئے۔

"معاملہ ہر لمحے الجھتا جا رہا ہے۔" نسیم نوری بڑبڑایا۔ اسی وقت سیٹھ کریم بھائی بھی آنکھیں ملتے ہوئے وہاں آ پہنچے۔

"یہ کیسا شور تھا۔ کیا بات ہے۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"ہم مسٹر آصف سے کچھ باتیں کرنے آئے تھے، وہ دروازہ ہی نہیں کھول رہا ہے۔" نسیم نوری نے بتایا۔

"دروازہ نہیں کھول رہا ہے۔ کیوں۔" سیٹھ کریم بھائی نے حیران ہو کر کہا۔

"جی پتا نہیں۔" فرزانہ نے ایسے معصومانہ انداز میں کہا کہ محمود مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"آخر یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟" انھوں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"یہی ہم سوچ رہے ہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔" محمود نے کہا۔

"نوری صاحب — دروازہ زور سے کھٹکھٹایئے۔"

"جی کھٹکھٹا چکے ہیں۔"

"تو پھر — اب کیا ارادہ ہے۔"

"ایمان دار خان کھڑکی کی طرف گیا ہے۔ اگر وہ بھی اندر سے بند ہوئی تو دروازہ توڑ دیا جائے۔"

"کیا — دروازہ توڑ دیا جائے گا — جانتے ہیں اس ایک دروازے پر میرے تین ہزار روپے صرف ہوئے ہیں۔" سیٹھ کریم بھائی نے آنکھیں نکالیں۔

اسی وقت دوسری طرف سے چٹخنی گرانے کی آواز آئی۔ وہ چونک اٹھے۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ دروازہ فاروق نے کھولا تھا۔ اس کے پیچھے ایماندار متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اور آصف کمرے سے غائب تھا۔

●

باب"

وہ دھک سے رہ گئے۔ ان کے خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کمرے کے اندر آصف نہیں ہوگا وہ جلدی سے اندر داخل ہو گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے تیزی سے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ نسیم نوری نے برا سا منہ بناتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا اور بولا۔

"آخر تمہارے والد کا اندازہ غلط نکلا . . . وہ فرار ہو گیا۔ اگر وہ میری بات مان لیتے اور اسے رات ہی گرفتار کر لیا جاتا۔ تو یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آصف ہی چور ہے — دیکھ لو — وہ کھڑکی کے راستے بھاگ گیا۔"

"وہ بھاگا نہیں — اسے یہاں سے بھگایا گیا ہے۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" نسیم نوری چونکا۔

"جی ہاں — یہ دیکھیے بستر کی چادر آدھی چارپائی پر ہے اور آدھی فرش پر . . . اس کا مطلب ہے کہ اسے یہاں سے

کھینچ کر نیچے آتارا گیا.... اور یہ دیکھیے... اس کی چپل بھی یہیں پڑی ہے.... اگر وہ بھاگتا تو کیا ننگے پاؤں بھاگتا" فاروق کہتا چلا گیا۔

جواب میں نسیم نوری نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور بولا۔
"یہی تو تم سمجھے نہیں.... اپنے ہاتھ سے چادر کو فرش تک گرا دینا اور چپل یہیں چھوڑ جانا.... یہ سب ظاہر کرتا ہے کہ چور بہت چالاک ہے.... وہ فرار ضرور ہوا ہے لیکن اس نے کمرے میں ایسی حالت پیدا کر دی ہے جیسے اسے اغوا کیا گیا ہے خیر.... اگر آپ لوگ اسے چور نہیں سمجھتے تو نہ سہی۔ میں تو اس کی تلاش میں جاتا ہوں — اور بہت جلد اسے گرفتار کر کے دکھا دوں گا — وہ میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائیگا"۔
یہ کہہ کر نسیم نوری تقریباً دوڑتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔
وہ کھڑے اس کے قدموں کی مدھم ہوتی آواز سنتے رہے۔ پھر کمرے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ محمود کھڑکی کی طرف گیا اور باہر جھانکنے لگا۔

"کھڑکی باغ میں کھلتی ہے۔ اس میں سے کود کر باغ کے ذریعے سے بھاگنا بہت آسان ہے.... اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ آصف بھاگا نہیں "
"ہاں — حالات یہی کہتے ہیں.... اور اس سے ایک بات اور

ثابت ہوتی ہے" فرزانہ نے کہا۔
"اور وہ کیا؟"
"یہ کہ چور یہیں کہیں.... آس پاس ہی رہتا ہے.... وہ ہر وقت ہمارے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے — تاکہ جان سکے کہ ہم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں — اس نے ضرور رات کے وقت ہمیں آصف سے باتیں کرتے سن لیا ہو گا — ہو سکتا ہے کہ اس وقت وہ اس کھڑکی کے نیچے کھڑا ہو — جب اس نے دیکھا کہ آصف شک کی زد میں آ رہا ہے تو رات کو کسی وقت اسے بے ہوش کر کے یہاں سے اٹھا لے گیا تاکہ ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ چور وہی ہے اور وہ خود صاف بچ جائے" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔
"معلوم تو یہی ہوتا ہے.... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں۔ کیا ابا جان کو چل کر یہ بات بتائیں"
"ہاں — یہ تو کرنا ہی ہو گا "
وہ انسپکٹر جمشید کے پاس آئے۔ وہ ابھی تک ناشتے کی میز پر بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔ انہیں آتے دیکھ کر مسکرائے:
"یہ نسیم نوری کہاں دوڑ گئے —"
"وہ مسٹر آصف کو گرفتار کرنے گئے ہیں —"
"کیا مطلب —؟" وہ چونکے۔
"جی ہاں — آصف اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے۔

اس کے پلنگ کی چادر فرش تک آ گئی ہے اور چپل بھی غائب ہیں "

" اور اس سے تم نے اندازہ لگایا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے "۔ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

" جی .... جی ہاں — کیا ہم نے غلط اندازہ لگایا ہے ؟"

" نسیم نوری کا کیا خیال ہے ؟" انہوں نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

" ان کا خیال ہے کہ مسٹر آصف نے ڈرامہ کھیلا ہے اور فرار ہو گیا ہے "

" ہوں — دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں — پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو " انہوں نے پوچھا۔

" آپ ہماری رہنمائی فرمائیں — اب ہم کیا کریں "

" دیکھو بھئی .... تم نے خود ہی یہ کیس خود حل کرنے کی تجویز پیش کی تھی — اب مجھ سے کچھ نہ پوچھو — میں الگ رہ کر چور کا پتا لگانے کی کوشش کروں گا، تم الگ کوشش کرو۔ اور نسیم نوری کو الگ کوشش کرنے دو — اس طرح تین پارٹیاں ہو جائیں گی، کوئی ایک تو چور تک پہنچ ہی جائے گی "

" بہت اچھا — اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو یونہی سہی " فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

" میری نہیں — تمہاری — یہ تجویز تمہاری تھی "

" جی ہاں — جی ہاں — "

وہ اٹھ کر جانے لگے تو انسپکٹر جمشید نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے کہا :

" البتہ .... جو چیزیں میرے سامنے آئیں گی، میں تمہیں ان سے ضرور باخبر رکھوں گا — تمہیں یاد ہو گا کہ کل میں نے سیٹھ کریم بھائی سے ان کے بھائی عظیم کی تصویر کے بارے میں کہا تھا۔ انہوں نے آج صبح مجھے ان کی ایک تصویر دی ہے — اگر تم تینوں اس تصویر کو دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو — شاید اس طرح تمہاری کچھ مدد ہو جائے "

" جی ہاں — ہم ضرور اس تصویر کو دیکھیں گے "

" اچھی بات ہے " یہ کہہ کر انہوں نے اپنی جیب سے تصویر نکال کر ان کی طرف بڑھا دی ——

تینوں تصویر پر جھک گئے۔ یہ ایک نوجوان اور خوبصورت آدمی کی تصویر تھی .... اس کے ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ تھی .... نقش و نگار سیٹھ کریم بھائی سے ملتے جلتے تھے۔ وہ چند سیکنڈ تک تصویر کو غور سے دیکھتے رہے، پھر محمود نے کہا :

" ابا جان ! کیا اسے کچھ دیر کے لئے ہم اپنے پاس رکھ سکتے ہیں "

"ہاں — ضرور — لیکن اسے حفاظت سے رکھنا — سیٹھ کریم بھائی کے پاس اور کوئی تصویر نہیں ہے، نہ ہی اس کا نیگیٹو ان کے پاس ہے۔"

"جی اچھا —"

"اب ہم اپنے کمرے میں جا کر اپنا پروگرام ترتیب دیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور اس تصویر پر بھی غور کریں گے۔"

"ٹھیک ہے — میری طرف سے اجازت ہے۔ جو تمہارا جی چاہے ... کرو —"

وہ اپنے کمرے میں آئے اور تصویر کو ایک بار پھر غور سے دیکھنے لگے۔

"کیا خیال ہے ...... یہ تصویر دس سال پہلے کی ہے .... اب اس شخص کی شکل صورت کیسی ہو گی۔" محمود بولا۔

"تقریباً بوڑھا ہو چکا ہو گا .... بال بھی سفید ہونے لگے ہوں گے —" فرزانہ نے کہا۔

"اور اگر اس کے چہرے پر ڈاڑھی بھی ہو گی تو پہچاننا اور بھی مشکل ہو جائے گا —" فاروق نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ اس کیس میں آصف کے والد کا کیا تعلق ہے — آخر ہم اس کا تعلق ثابت کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ابا جان نے یہ تصویر ہمیں بلا وجہ نہیں دی —" محمود بولا۔

"ہوں — جہاں تک میرا خیال ہے .... آصف کے والد کے بارے میں ہمیں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا ہوں گی — اس کے بغیر یہ کیس حل ہوتا نظر نہیں آتا۔" فرزانہ نے پر زور لہجے میں کہا۔

باب ۱۲

"فرزانہ — کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے — لیکن اس وقت تو ضرورت ہے مسٹر آصف کو ڈھونڈنے کی — کیا خیال ہے۔ ہم تینوں اسے ڈھونڈنے نکلیں؟" محمود نے کہا۔

"کیا ضرورت ہے — اس کی تلاش میں نسیم فوری جا تو چکے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہو سکتا ہے، وہ اسے تلاش نہ کر سکیں۔" فرزانہ بولی۔

"اپنے ہو سکتا ہے کہ اپنے پاس رکھو۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں آصف کی تلاش میں نکلنا ہی ہوگا۔" محمود نے نرم آواز میں کہا۔

"لیکن ہم بھی تو قصبے میں نئے ہیں — بھلا ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟"

"سیٹھ کریم بھائی کی حویلی میں —" فرزانہ نے ایک دم کہا۔

"کیا مطلب؟" محمود اور فاروق ایک ساتھ بولے۔

"ہو سکتا ہے، چور اسے وہیں لے گیا ہو —" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"اور اگر وہ خود ہی چور ہوا تو؟" فاروق نے پوچھا۔

"تو اس صورت میں کیا، کہیں بھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ اباجان اس پر اپنے شک کا اظہار کر چکے ہیں۔ اور اس پر پابندی لگا چکے ہیں۔"

"تو پھر چلو — ہم اسے کم از کم حویلی میں تو دیکھ ہی سکتے ہیں۔" فاروق نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہمیں حویلی کا پتا بھی تو معلوم نہیں۔" محمود بولا۔

"ایماندار خاں سے پوچھ لیتے ہیں۔"

"تو میں اسے گھنٹی بجا کر یہیں بلا لیتا ہوں۔" محمود نے کہا اور پلنگ کے پائے میں لگے گھنٹی کے بٹن کو دبا دیا۔

فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایماندار خان اندر داخل ہو کر جھکتے ہوئے بولا۔

"ایماندار خاں کے لئے کیا حکم ہے۔"

"سیٹھ صاحب کی پرانی حویلی کہاں ہے؟"

"جی — پرانی حویلی —" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں ہاں — وہی حویلی جس میں وہ اس کوٹھی سے پہلے رہا کرتے تھے۔"

"اوہ ..... وہ ..... وہ یہاں سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر ہے ـــ کوٹھی سے نکل کر اگر بائیں طرف جائیں تو قصبے کی حدود ختم ہو جاتی ہیں اور جنگل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسی جنگل کے کنارے وہ حویلی ہے۔"

"بہت خوب! پھر تو ہم آسانی سے وہاں پہنچ جائیں گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تو کیا تمہارا خیال تھا وہاں جانے کے لئے ہوائی جہاز کرائے پر لینا پڑے گا۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا اور فاروق کا منہ بن گیا۔

"لیکن آپ وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں۔" ایماندار خان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بس یونہی ـــ حویلی کو دیکھنا چاہتے ہیں ـــ"

"لیکن حویلی میں تو تالا لگا ہوا ہے ـــ" ایماندار خاں بولا۔

"تو کیا ہوا ـــ ہم سیٹھ صاحب سے اس کی چابی لے لیتے ہیں۔"

"چابی تو خیر مجھے معلوم ہے کہ کہاں رکھی رہتی ہے آپ پہلے سیٹھ صاحب سے اجازت لے لیں۔"

"اچھا!" محمود نے کہا اور تینوں سیٹھ کریم بھائی کے کمرے میں آئے۔ ان سے حویلی دیکھنے کا خیال ظاہر کیا۔ انہوں نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی اور ایماندار خاں سے کہا کہ انہیں چابی

دے دے۔

ایماندار خاں چابی لینے کے لئے گیا، لیکن جلد ہی بوکھلایا ہوا واپس آ گیا۔ سیٹھ صاحب نے اسے حیران ہو کر دیکھا:

"کیوں ـــ کیا بات ہے ـــ خیر تو ہے؟"

"جی ـــ حویلی کی چابی میز کی دراز میں نہیں ہے ـــ" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کیا کہا..... چابی نہیں ہے ـــ تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے ـــ حویلی میں رکھا ہی کیا ہے ـــ خالی تو پڑی ہے میں انہیں اس تالے کی دوسری چابی دے دیتا ہوں ـــ جو میرے پاس ہے ـــ"

یہ کہہ کر سیٹھ کریم نے اپنی تجوری کھولی اور چابی نکالنے لگے۔ اسی وقت فاروق کو کچھ خیال آیا۔

"انکل! کیا یہ وہی تجوری ہے جس میں سے زیورات چرائے گئے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں میاں! بھلا میں اس تجوری کو اپنے پاس کیسے رکھ سکتا ہوں۔ میں نے تو دوسرے دن ہی یہ تجوری منگا لی تھی۔"

"تو کیا وہ کھلی ملی تھی؟"

"ہاں! اس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے چابی ان کی طرف بڑھا دی۔ چابی لے کر وہ سیٹھ

کریم بھائی کے کمرے سے نکل آئے۔

"کیا ہمیں ابا جان سے مشورہ کر لینا چاہیے"

"ان سے مشورہ رات کو کریں گے جب ہم پورے دن کی رپورٹ دینے کے قابل ہو جائیں گے۔ انہوں نے ہمیں کھلی چھٹی دے رکھی ہے ——"

"اچھا چلو ——"

تینوں کوٹھی سے نکل کر سڑک پر چلنے لگے۔ قصبہ بہت بارونق تھا۔ ہر طرف لوگ آ جا رہے تھے۔ البتہ گاڑیوں کی تعداد کم تھی۔ ہر طرف موسم بہار کی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

"اگر مسٹر آصف ہمیں حویلی میں نہ ملے اور نسیم نوری صاحب بھی اسے تلاش نہ کر سکے تو اس کا مطلب یہی ہو گا کہ وہ چور ہے ——" فرزانہ بولی۔

"ہاں! اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے ——"

"اور اگر وہ ہمیں حویلی میں مل گیا تو ——؟" فاروق نے سوال کیا۔

"اس کا بھی ابھی کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا ——" فرزانہ بولی۔

"ایک اسی پر کیا منحصر ہے، تم میرے کسی سوال کا بھی جواب نہیں دے سکتیں ——" فاروق شریر انداز میں مسکرایا۔

"جی ہاں! آپ ٹھہرے لاجواب" فرزانہ نے جلے کٹے انداز

میں کہا۔

"یہ تم جلی بھنی کیوں جا رہی ہو ——"

"جناب کی باتوں سے۔"

"میری باتیں گیس کا چولہا ہیں کیا" فاروق مسکرایا۔

اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے وہ حویلی کے سامنے پہنچ گئے۔ آسمانی رنگ کی یہ حویلی بہت پرانی تھی۔ آس پاس کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ دور دور تک جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ دروازے پر تالا لگا تھا۔ محمود نے دھڑکتے دل سے تالا کھولا اور تینوں اندر داخل ہو گئے۔ فرش پر گرد کی موٹی تہہ جم گئی تھی۔ وہ اس گرد پر پیر رکھتے اندرونی حصے میں پہنچ گئے۔ ایک کمرے کا دروازہ انہیں کھلا ملا —— دوسرے ہی لمحے وہ دھک سے رہ گئے ——

کمرے کے بیچوں بیچ آصف رسیوں سے جکڑا پڑا تھا۔ اس کے منہ پر بھی ایک رومال بندھا تھا۔

باب ۱۳

انہوں نے دوڑ کر آصف کے منہ پر بندھا ہوا رومال کھول ڈالا اور پھر دوسری رسیاں کھولنے لگے۔ آصف ہوش میں ہی تھا، لیکن جب تک اس کی تمام رسیاں کھل نہ گئیں، زبان سے کچھ نہ بولا

"شکر ہے خدا کا کہ آپ لوگ آ گئے، ورنہ میں تو یہاں بھوکا پیاسا تڑپ تڑپ کر مر جاتا ــــ"

"آخر یہ ہوا کیسے؟" محمود نے پوچھا۔

"رات کے وقت آپ لوگ تو مجھ سے مل کر چلے گئے، لیکن میری نیند اڑ گئی ..... میں حیران تھا کہ دونوں تحریریں ایک دوسرے سے اس قدر کس طرح مل سکتی ہیں جب کہ خط میں نے نہیں لکھا۔ پریشانی یہ بھی تھی کہ کہیں مجھے گرفتار نہ کر لیا جائے۔ آخر جب بالکل نیند نہ آئی تو میں نے باہر نکل کر ٹہلنے کا پروگرام بنایا ...... لیکن میں دروازے کی طرف سے نہیں گیا، تاکہ آپ لوگ شک میں نہ پڑ جائیں۔ اس لیے میں کھڑکی کے راستے باہر نکل کر ٹہلتا ہوا اس طرف نکل آیا، جونہی میں اس حویلی کے سامنے

پہنچا کسی نے پیچھے سے میرے سر پہ کوئی چیز ماری ــــ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ مجھے کوئی ہوش نہ رہا ــــ ہوش آیا تو میں بندھا پڑا تھا اور اب آپ نے آ کر کھولا ہے ــــ میں نہیں جانتا، مجھ پر کس نے حملہ کیا تھا اور یہاں باندھنے والا کون ہے، اس نے مجھے کیوں باندھا تھا۔ یہ سب سوال مجھے پریشان کر رہے ہیں۔" وہ کہتا چلا گیا

"آپ فکر نہ کریں، بہت جلد آپ کو ان سوالات کے جوابات مل جائیں گے۔ کیا یہ رومال آپ کا ہے یا آپ کو باندھنے والے نے اپنا رومال استعمال کیا ہے؟"

"نہیں ــــ یہ میرا رومال نہیں ہے ــــ"

"بہت خوب ــــ تو یہ رومال ہمارے پاس رہے گا ــــ اور اب چلیے .... کوٹھی میں چلتے ہیں ــــ"

وہ حویلی سے باہر نکل آئے اور کوٹھی کی طرف چل پڑے۔ راستے میں سب سوچ میں گم تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ آصف کے بیان پر غور کر رہے تھے .... اس کا بیان غلط بھی تو ہو سکتا تھا .... لیکن پھر .... اسے باندھا کس نے ــــ آخر وہ خود تو اپنے آپ کو نہیں باندھ سکتا تھا۔ اچانک فاروق نے سوال کیا:

"آصف صاحب، کیا آپ سیر کے لئے چپل پہن کر نکلے تھے"

"ہاں..... اب میری چپل نہ جانے کہاں ہے۔" آصف نے ننگے پیروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ آپ کے کمرے میں موجود رہے ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا!" آصف دھک سے رہ گیا۔

"جی ہاں — اب خدا جانے آپ کا بیان درست ہے یا غلط — اگر غلط ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو بندھوایا کس سے۔" محمود نے کہا۔

"اور پھر مجھے اس سے فائدہ کیا ہوا۔" آصف نے جلدی سے کہا۔

"فائدہ تو خیر ہو سکتا ہے — یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ آپ بے گناہ ہیں۔"

"ہوں — اچھا..... یہ — دیکھ لیجئے — کیا سر کے پچھلے حصے پر چوٹ کا نشان نہیں ہے۔" آصف نے انہیں خیال دلایا اور وہ چونک اٹھے۔ واقعی وہ یہ بات تو بھول ہی گئے تھے۔ تینوں کی نظریں اس کے سر کے پچھلے حصے پر گئیں — اور انکے منہ مارے حیرت کے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"مسٹر آصف — کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ کوئی چیز سر پہ ماری گئی تھی۔"

"کیوں نہیں..... میں اس وقت اپنے پورے ہوش میں تھا۔"

"اگر آپ نے نسیم نوری صاحب کو بالکل یہی بیان دیا..... جو ہمیں بتایا ہے تو فوراً آپ کو گرفتار کر لیں گے۔"

"کیا مطلب؟" محمود نے کہا۔

"خوب تو اب مطلب بھی ہم بتائیں۔" فاروق مسکرایا۔

"آخر بات کیا ہے —" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیا آپ کا سر اب تک دکھ رہا ہے۔"

"ہاں! ابھی تک درد ہے۔"

"اچھا تو اپنے سر کے پچھلے حصے پر ہاتھ لے جائیے۔"

آصف نے بے اختیارانہ انداز میں سر پر ہاتھ پھیرا اور دھک سے رہ گیا۔ سر پر چوٹ کا نام و نشان تک نہیں تھا اور نہ کوئی گومڑ سا ابھرا ہوا تھا۔

اس کا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا — اس نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے — میرے سر پر کوئی چیز اتنے زور سے ماری گئی تھی کہ میں بے ہوش ہو گیا تھا لیکن سر پر کوئی چوٹ نہیں گی — یہ کتنی عجیب بات ہے۔"

"واقعی بہت عجیب بات ہے — اسی لیے تو ہم کہہ رہے ہیں کہ جب آپ نوری صاحب کو یہ بیان دیں گے تو وہ فوراً آپ کو گرفتار کر لیں گے، کیونکہ وہ یہی اندازہ لگائیں گے کہ آپ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر آپکا بیان درست ہے تو پھر سر پر کم از

کم ابھار ضرور ہونا چاہیے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں — اف خدا — اب میرا کیا بنے گا۔ آخر میں اور کیا بیان دے سکتا ہوں جب کہ بالکل سچ بات یہی ہے —"

"یہ آپ کا کام ہے — سوچ لیں — ہم نے تو اشارہ کیا ہے"

اور پھر وہی ہوا جس کا اندازہ محمود، فاروق اور فرزانہ فوراً ہی لگا چکے تھے۔ وہ کوٹھی پہنچے تو وہاں نسیم نوری انسپکٹر جمشید کے پاس موجود تھا — انہیں دیکھتے ہی اچھل پڑا — پھر اس کی آنکھیں حیرت کی وجہ سے پھیل گئیں — وہ چلا رہا تھا،

"خدا کی پناہ — میں نے تمہیں کہاں کہاں ڈھونڈا — کہاں بھاگ گئے تھے تم — آپ تینوں نے اسے کہاں پایا؟"

"مسٹر آصف خود سب کچھ بتائیں گے۔" محمود نے کہا۔

آصف نے وہی بیان دہرا دیا — نسیم نوری نے فوراً اٹھ کر اس کے سر کا جائزہ لیا اور چلا کر بولا،

"تم جھوٹے ہو — تمہارے سر پر چوٹ کا کوئی نشان نہیں ہے — میں تمہیں ایک سال پہلے ہونے والی چوری کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں —"

اسی وقت سیٹھ کریم بھائی وہاں آ گئے۔ ان کے پیچھے ایماندار خان

بھی تھا۔

"کیا بات ہے انسپکٹر صاحب .... خیر تو ہے، بہت تیز لہجے میں باتیں کر رہے ہیں"

"چوری کا سراغ مل گیا ہے — چور آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ آپ کا بھتیجا —"

"کیا! ارے — آصف — تم کہاں چلے گئے تھے؟" سیٹھ کریم بھائی نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"یہ مجھ سے سنیئے —"

یہ کہہ کر نسیم نوری نے ساری بات انہیں بتا دی اور ہتھکڑی لے کر اس کی طرف بڑھا۔

"نہیں .... نہیں ... میں چور نہیں ہوں — زیورات میں نے نہیں چرائے تھے۔" آصف نے گھبرا کر کہا۔ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ یہ سب خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"نسیم نوری صاحب — میرا خیال ہے، ابھی مسٹر آصف کو گرفتار نہ کریں۔"

"جی — کیا مطلب — گرفتار نہ کروں تو کیا کروں —"

"یہ ضروری نہیں کہ ان کا بیان غلط ہی ہو۔" انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اگر ان کا بیان درست ہے تو پھر ان کے سر پہ کسی چوٹ کے آثار کیوں نہیں، کم از کم جگہ ابھری ہوئی تو ضرور ہونی چاہیے تھی۔"

"چوٹ مارنے کا ایک طریقہ ایسا بھی ہے کہ نہ چوٹ کا نشان پڑتا ہے اور نہ گومڑ۔۔۔"

"وہ کون سا طریقہ ہے — جناب ذرا مجھے بھی تو بتا دیں۔" نسیم نوری نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کسی تھیلے میں اگر ریت بھر کر تھیلا سر پہ مارا جائے تو اس طرح زخم بھی نہیں آتا اور گومڑ بھی نہیں ابھرتا —" انسپکٹر جمشید یہ کہتے وقت مسکرائے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔ وہ دنگ رہ گئے۔ انہیں یہ بات معلوم نہیں تھی۔

باب ۱۳

وہ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ چور سات پردوں ں چھپا ہوا تھا، اگرچہ ان کے آس پاس ہی کہیں موجود تھا۔ آصف انسپکٹر جمشید نے ایک بار پھر گرفتاری سے بچا لیا تھا اور وہ اب ری میں موجود تھا لیکن اس کی ساری شوخی دور ہو چکی تھی۔

"وہ مارا — میں سمجھ گیا" فاروق نے چٹکی بجاتے اور چھلتے ہوئے کہا۔

"کیا مارا — اور تم کیا سمجھ گئے" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"میرے کچھ مارنے اور سمجھنے سے تمہارا منہ کیوں بن جاتا ہے" روق نے شریر انداز میں کہا۔

"اس لئے کہ بات کچھ نہیں ہوتی اور اچھل اس طرح پڑتے ہو یسے کوئی تیر مارا ہو — حالانکہ بات وہی نکلتی ہے.... کھودا چوہا... پہاڑ" محمود نے منہ کو اور بھی بنا لیا۔

"کیا کہا... کھودا چوہا... لو فرزانہ یہ اب چوہے کھودنے گے" فاروق ہنسا۔

"ایسے کہ پہاڑ تو ان سے کھدے گا نہیں۔"

"سیدھی طرح بتاؤ... کیا سمجھ گئے ہو تم؟" محمود نے تیز ہو کر کہا۔

"یہ کہ میں نے جان لیا ہے، چور کون ہے۔"

"کیا کہا۔ تم نے جان لیا ہے۔"

"ہاں! اور میں آج شام کھانے کی میز پر ایک اعلان کر دوں گا۔ اس اعلان کے بعد ہم اپنے کمرے میں آ جائیں گے۔ یہاں آ کر کچھ مشورہ کریں گے اور صبح تک انشاءاللہ چور کو پکڑ لیا جائے گا" فاروق نے بتایا۔

"بھئی واہ۔ کتنا آسان کام ہے.... ہم تو یونہی اپنا دماغ کھپا رہے ہیں۔ ہمیں تو شروع سے ہی فاروق کے ذمے یہ کام لگا دینا چاہیے تھا۔ بس یہ چٹکی بجاتے ہی چور کو پکڑ لیتے۔" فرزانہ نے اس کا مذاق اڑایا۔

"سنو۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔ آج رات کھانے کی میز پر میں ایک اعلان کروں گا۔"

"آخر وہ اعلان کیا ہوگا؟" محمود نے الجھ کر کہا۔

"کھانے کی میز پر سن لینا۔"

"تمہارے ذہن میں کیا ہے۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"ذہن! فاروق تڑ سے بولا۔

"تو تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ چور کو پہچان گئے ہو۔ تو بتاؤ...

وہ کون ہے۔"

"میرا ایک اندازہ ہے.... اور اس اندازے پر میں آج اپنے پروگرام پر عمل کرنے کے بعد یقین کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔"

"تمہارا اندازہ کیا ہے۔ ذرا ہم بھی تو سنیں۔"

"میں نے کہا نا کہ کھانے کی میز پر سن لینا۔"

"وہاں تو تم اعلان کرو گے۔ یہ تو نہیں بتاؤ گے کہ تم چور کسے سمجھتے ہو۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔"

"تو پھر بتاؤ۔ چور کسے سمجھ رہے ہو۔"

"نسیم نوری کو۔" فاروق نے ڈرامائی انداز میں کہا

"کیا کہا۔ نسیم نوری کو۔"

"ہاں۔ وہی ایک ایسا شخص ہو سکتا ہے جو چور ہے... اس نے ایک سال پہلے چوری کی تھی... وہ خود ہی تفتیش کرنے والا تھا، پھر وہ بھلا گرفتار کیسے ہوتا۔"

"یہ تو کوئی ثبوت نہ ہوا۔" محمود نے پھر منہ بنایا۔

"ہم جس وقت تھانے گئے تھے اور نسیم نوری ہمارے ساتھ چلنے پر تیار ہو گیا تھا تو وہ کسی کام کا بہانہ کر کے کہیں گیا تھا۔ وہ اس وقت ضرور ہمیں وہ خط لکھنے گیا تھا۔ پھر اس نے کسی لڑکے کے ذریعے خط بھیج دیا۔ اور ہمارے پاس آ گیا۔

دوسرے یہ کہ تھانے کی عمارت ان دنوں بن رہی تھی۔ فرش کھلا ہوا تھا۔۔۔ ضرور نسیم نوری نے وہ زیورات فرش کے نیچے دفن کر دیئے ــــ دوسرے دن فرش پر پلستر کرا دیا گیا ہو گا، اس لیئے آج تک زیورات کا کوئی سراغ نہیں مل سکا ــ یہی وہ شخص ہے جو ہر وقت ہمارے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے اور اسے کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں۔۔۔۔ اسی نے آصف کو حویلی کے قریب سر پر ریت کا تھیلا مار کر بے ہوش کیا اور حویلی کے اندر باندھ کر ڈال دیا تاکہ اس پر شک اور مضبوط ہو جائے "

"لیکن اس کے پاس حویلی کی چابی کہاں سے آگئی" ــ فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"کیا تم بھول گیئں کہ ایماندار خان نے بتایا تھا، جو چابی میز کی دراز میں رکھی تھی۔۔۔۔ وہ غائب ہے "

" اوہ !" ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گیئں

"تو ــ تو ــ کیا واقعی نسیم نوری چور ہے" ــ محمود کے منہ سے نکلا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ــ تاہم نسیم نوری پر شک ضرور کیا جا سکتا " فرزانہ بولی۔

" ٹھیک ہے ۔۔۔ اور میں اس شک کو یقین میں بدلنے کے لئے ہی آج میز پر ایک اعلان کروں گا"

"اب تو بتا دو کہ وہ اعلان کیا ہو گا ــ"

"وہ میں کھانے کی میز پر بتاؤں گا" ــ فاروق شریر انداز میں مسکرایا اور دو تو جھلا اٹھے۔

عین اسی وقت ایماندار خان نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہے۔ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے ــ میز پر کھانا چن دیا گیا، یہاں نسیم نوری بھی موجود تھے۔ ان کے جاتے ہی کھانا شروع کر دیا گیا۔ آخر وہ فارغ ہوئے اور فاروق نے کہا۔

" ابا جان! ہم چور کے متعلق ایک اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور انشاءاللہ صبح ناشتے کی میز پر ہم بتایئں گے کہ وہ اندازہ کیا ہے ــ"

" بہت خوب ــ لیکن تم ابھی کیوں نہیں بتا دیتے ــ"

" جی ۔۔۔۔ وہ اس لئے کہ آج ہم اپنے کمرے میں کچھ اور غور کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اندازے کو یقین میں بدلا جا سکے"

" بہت اچھا ــ جیسے تمہاری مرضی ــ" انسپکٹر جمشید بولے

" مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ــ" سیٹھ کریم بھائی بولے ــ "انسپکٹر صاحب ۔۔۔۔ کیا آپ نے اب تک کوئی اندازہ نہیں لگایا؟"

" لگایا تو ہے ــ مگر میں پہلے ان کا اندازہ جاننا چاہتا ہوں۔ پھر اپنا خیال پیش کروں گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں اور میں ایک ہی نتیجے پر پہنچے ہوں ــ"

" ہماری ایک شرط بھی ہے" فاروق بول اٹھا۔

"ہاں... ہاں ضرور بتائیں۔ میں ہر وہ کام کروں گا جو آپ کہیں گے — مجھے تو بس اپنے زیورات چاہئیں۔"

"آپ کے زیور آپ کو مل جائیں گے۔ فکر نہ کریں۔"

"اگر مجھے میرے زیورات مل گئے تو میں ان میں سے پچیس ہزار روپے آپ لوگوں کو دینے کو تیار ہوں۔"

"جی نہیں۔ ہمیں کچھ نہیں چاہیئے — ہم تو صرف چور کو گرفتار کرنے کی نیت سے آئے ہیں اور وہ ہم انشاءاللہ کریں گے۔"

"اچھا یہ تو بعد میں ہوتا رہے گا — یہ تو بتائیں۔ شرط کیا ہے؟"

"شرط یہ ہے کہ نسیم نوری کو آج رات یہیں رکھا جائے۔"

"جی — بھلا وہ کیوں" نسیم نوری نے چونک کر کہا۔

"اس لئے کہ اگر چور فرار ہونے کی کوشش کرے تو آپ اس کی کوشش کو ناکام بنا دیں۔"

"اس کا مطلب ہے.... مجھے تمام رات جاگنا ہوگا" — نسیم نوری کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"جی نہیں — آپ بڑے مزے سے آرام کریں۔ اگر چور کے بھاگنے کا امکان ہوا تو ہم آپ کو خبردار کر دیں گے۔"

"بہت خوب! اس صورت میں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن سیٹھ صاحب کی اجازت ضروری ہے — آخر یہ ان کا گھر ہے۔" نسیم نوری بولا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں"

"بس تو پھر.... اب ہم اپنے کمرے میں جائیں گے.... اور آپس میں مشورہ کریں گے"

"ٹھیک ہے — ہم بھی اپنے کمرے میں جا کر آرام کرتے ہیں — ایماندار خاں... تم مسٹر نسیم نوری کے لئے تینوں بچوں کے ساتھ والا کمرہ کھول دو —"

"جی اچھا" ایمان دار خان نے کہا۔

اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

●

باب ۱۵

"میں تمہارا پروگرام ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔" محمود نے الجھ کر کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں — پہلے دروازہ اندر سے بند کر دو —" فاروق نے کہا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ہم تمہارے ماتحت ہوں۔"

"چلو تم دونوں میرے افسر ہی سہی — لیکن دروازہ تو بند کر دو۔" فاروق نے جھنجھلا کر کہا۔

"اگر ہم افسر ہیں تو دروازہ کیوں بند کریں — یہ کام تم کیوں نہ کرو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"لاحول ولا قوۃ — تم دونوں سے زیادہ سست آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے — تمہاری اپنی نظر کا قصور ہے بہتر ہے کہ ٹسٹ کرا لو۔" فرزانہ بولی۔

"ٹر ٹر نہ کرو — لو میں ہی دروازہ بند کر دیتا ہوں —"

فاروق نے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"ہاں! اب کہو۔"

"سنو — اس وقت تک جتنے بھی حالات پیش آئے ہیں، ان سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ چور چھپ کر ہماری باتیں ضرور سنتا ہے — چنانچہ میں نے میز پر جو اعلان کیا ہے، اسے سن کر وہ آج ہر حال میں ہماری گفتگو سنے گا — اور جب ہم یہ اندازہ لگا لیں گے کہ وہ دروازے پر موجود ہے تو میں ایک دم چلا کر کہوں گا... چور دروازے پر موجود ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی میں دوڑ کر دروازہ کھول دوں گا —"

"تو کیا چور تمہارے لیے باہر ہی ٹھہرا رہے گا۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"نہیں — ہم تینوں ہیں — تینوں تیزی سے باہر نکلیں گے اور ہر ایک کے کمرے میں جھانک کر دیکھیں گے —"

"اس سے کیا ہو گا؟"

"چور کے سوا باقی — سکون سے سو رہے ہوں گے، لیکن اگر چور جھوٹ موٹ سونے کی کوشش کر کے دکھائے گا تب بھی اس کے سانس کی تیزی سے ہم جان جائیں گے کہ — دراصل وہ سو نہیں رہا — ہر کمرے کی کھڑکیوں میں شیشے لگے ہیں —"

"تجویز تو تمہاری معقول ہے ..... اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم تینوں ایک ساتھ کمروں میں جھانکتے پھریں گے یا الگ الگ جائیں گے"

"الگ الگ ٹھیک رہے گا" فاروق بولا۔

"اور کیا یہ ضروری ہے کہ وہ ہماری باتیں ضرور ہی سنے" محمود بولا۔

"ہاں! اس وقت تک یہی ہوتا رہا ہے ___ اگر وہ ہماری باتیں نہیں سنتا رہا ہے تو اس نے آصف کو کیوں حویلی میں باندھ کر ڈالا ___ ظاہر ہے ..... اس نے باتیں سن لی تھیں"

"ٹھیک ہے ___ اس کا مطلب ہے، ہمیں اس کے دروازے تک آنے کا انتظار کرنا ہوگا" محمود بولا۔

"ہاں" فاروق کے لہجے میں جوش تھا۔

"ہمیں کس طرح معلوم ہوگا کہ وہ آچکا ہے ___" فرزانہ نے سوال کیا۔

"بہت خوب ___ فرزانہ تم نے بہت اچھا سوال کیا" محمود نے اس کی تعریف کی اور سوالیہ نظروں سے فاروق کی طرف دیکھا۔ فاروق معنی خیز انداز میں مسکرایا اور کہنے لگا:

"میں جانتا تھا ..... تم میں سے کوئی یہ سوال ضرور اٹھائے گا۔ میرے پاس اس کا جواب موجود ہے، فرزانہ ___ یہ کام تم کرو گی"

"میں ___ کیا مطلب؟" فرزانہ نے چونک کر پوچھا۔

"تمہارے کان بہت تیز ہیں ..... ہلکی سے ہلکی آواز بھی سن لیتے ہیں ___ تم شروع سے ہی دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہو جاؤ گی ___ ظاہر ہے کہ چور دروازے تک چل کر آئے گا ___ وہ کتنا ہی دبے پاؤں آئے ..... تم ضرور آہٹ سن لو گی ___ بس چند لمحے کے بعد تم مجھے اشارہ کر دینا، میں اسی وقت اٹھوں گا"

"لیکن اگر اس نے کھڑکی کے شیشے میں سے دیکھ لیا کہ ہم میں سے دو تو کرسیوں پر موجود ہیں ..... اگر کوئی غائب ہوا تو وہ شک میں پڑ جائے گا" محمود نے کہا۔

"اس کا بھی علاج میں نے سوچ لیا ہے ___ کرسیوں کو ایسی جگہ رکھا جا سکتا ہے کہ کھڑکی میں سے صرف دو ہی آئیں۔ تیسری دکھائی بھی نہ دے ___ چنانچہ جب تیسری کرسی دکھائی نہیں دے گی تو وہ یہی سمجھے گا کہ ہم میں سے ایک تیسری کرسی پر موجود ہے"

"بہت خوب ___ تمہارا پروگرام ہر طرح مکمل ہے ___ آج تو تم ہمیں بہت پیچھے چھوڑ گئے ہو" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ ___ اب ہمیں کام شروع کر دینا چاہیے ___ کیوں کہ وہ آنے والا ہو گا"

یہ کہہ کر اس نے کرسیوں کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھنا شروع کر دیا — پھر فرزانہ کو اشارہ کیا — وہ اٹھ کر دروازے تک گئی اور اپنا کان کیواڑ سے لگا دیا — محمود اور فاروق کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دونوں کی نظریں خالی کرسی کی طرف تھیں جیسے وہ فرزانہ کی طرف دیکھ رہے ہوں — کبھی کبھی وہ فرزانہ کی طرف بھی دیکھ لیتے۔

"اور اب ہمیں گفتگو شروع کر دینی چاہیئے — چور کو کچھ نہ کچھ سنانا بھی تو ہو گا۔" محمود بولا۔

"کیوں نہ اسے کوئی گانا سنا دیا جائے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔" محمود غرایا —

"کیا کروں — عادت پڑ گئی ہے .... اب مذاق نہیں کرونگا۔"

"ہاں تو .... تمہارے خیال میں چور کون ہے —" محمود نے چور کو سنانے کے لئے گفتگو کا آغاز کیا — حالانکہ ابھی چور دروازے تک نہیں آیا تھا .... مگر پہلے ہی گفتگو شروع کرنا بہتر تھا تاکہ چور آئے تو شک میں مبتلا نہ ہو جائے کہ یہ سب اسے پھانسنے کے لئے کیا جا رہا ہے

"میرے خیال میں چور اس گھر میں ہی موجود ہے۔" فاروق بولا۔

"میں نے یہ پوچھا ہے کہ وہ کون ہے — یہ نہیں پوچھا کہ کہاں

رہتا ہے — یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ وہ اسی کوٹھی میں رہتا ہے۔"

"تو گرمی کیوں کھاتے ہو — کوئی ...." فاروق کہتے کہتے رک گیا۔ دراصل وہ یہ کہنے چلا تھا کہ کوئی کھانے کی چیز کھاؤ — لیکن پھر اس خیال سے رک گیا کہ کہیں محمود کو .... غصہ نہ آ جائے۔

"کوئی کیا —" محمود نے پوچھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے .... چور ایک ایسا آدمی ہے .... جس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ چور ہو گا۔"

"تو کیا تمہارا اشارہ سیٹھ کریم بھائی کی طرف ہے — کیونکہ اس گھر میں تو وہی ایک ایسے ہیں جن پر شک نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہاں! وہ بھی چور ہو سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے — بھلا ... انہیں اپنے زیورات خود چرانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں نے تو ایک اندازہ بیان کیا تھا — دراصل میرا خیال یہ ہے کہ نسیم نوری صاحب چور ہیں —"

"کیا — یہ تم کیا کہہ رہے ہو —"

"میں اپنے اندازے کے مطابق ....."

اسی وقت فرزانہ نے اشارہ دیا کہ چور دروازے پر آ چکا ہے —

●

باب ۱۶

"اندازے کے مطابق کیا — تم کہتے کہتے رک کیوں گئے"
محمود نے جلدی سے کہا۔

"مجھے کچھ شک ہوا تھا" فاروق بولا۔

"کیسا شک —" محمود بولا — اب فرزانہ بھی دبے پاؤں آکر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"یہ کہ کوئی دروازہ سے لگا ہماری باتیں سن رہا ہے... لیکن نہیں... یہ میرا وہم ہے — بھلا کون دروازے سے لگ کر باتیں سن سکتا ہے۔"

"چور!" فرزانہ چیخی۔

"اوہ — ہاں — تو آؤ دروازہ کھول کر دیکھیں" فاروق نے تیز لہجے میں کہا اور تینوں دروازے کی طرف دوڑے۔ فرزانہ کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی تیز تیز قدم اٹھاتا دروازے سے دور جا رہا ہو —

انہوں نے چٹخنی گرا دی اور باہر نکل آئے، دوسرے

ہی لمحے وہ مختلف سمتوں میں دوڑے جا رہے تھے۔ اب ان کا کام یہ تھا کہ وہ ایک ایک کمرے میں جھانکتے جا رہے تھے۔

فرزانہ سب سے پہلے سیٹھ کریم کے دروازے پر پہنچی۔ وہ پلنگ پر لیٹے سو رہے تھے۔

فاروق نسیم نوری کے کمرے کے دروازے پر پہنچا — وہ بھی سو رہا تھا — محمود آصف کے کمرے پر پہنچا — وہ بیٹھا کوئی فلمی رسالہ پڑھ رہا تھا، محمود نے ایک نظر رسالے پر ڈالی اور دوسری آصف کے پیٹ پر — وہ یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ آصف کا پیٹ تیزی سے پھول اور پچک رہا ہے یا نہیں — پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ آگے سرونٹ کوارٹر تھا — اس کا دروازہ کھلا تھا محمود نے دیکھا، ایماندار خان بیٹھا اپنے جوتوں پر پالش کر رہا تھا۔ اسے اپنے دروازے پر آتے دیکھ کر اس نے سر اوپر اٹھایا۔

"خیر تو ہے جناب — اگر آپ کو میری ضرورت تھی تو گھنٹی بجا لی ہوتی —" اس نے اطمینان سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"نہیں شکریہ — ایسی کوئی بات نہیں — میں تو یونہی ٹہلتا ہوا نکل آیا تھا۔"

یہ کہہ کر وہ واپس مڑا — اور اپنے کمرے میں آگیا۔

فاروق اور فرزانہ اس سے پہلے آ چکے تھے۔

"کیوں — کیا رہا —"

"ٹائیں ٹائیں فش —" فاروق نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"اور تم فرزانہ — تم نے کیا دیکھا"

"خاک دھول —"

"واہ — بہت اچھی چیزیں دیکھ آئی ہو"

"تم اپنی سناؤ — تم کیا تیر مار آئے ہو"

"اندھیرے میں تیر چلانے کا فائدہ مشکل ہی سے ہوتا ہے" محمود نے کہا: "ہم نے یہ پروگرام بنایا تو ضرور تھا، لیکن ہم بھول گئے کہ چور ہم سے بھی چالاک ہے — دیکھو نا.... اگر کوئی آدمی کروٹ کے بل لیٹ جائے تو صاف نظر نہیں آتا کہ وہ جھوٹ موٹ کا سو رہا ہے یا سچ مچ"

"تو کیا آصف اور ایماندار خان بھی سوئے ملے ہیں"

"نہیں — اتفاق سے وہ دونوں جاگ رہے تھے. آصف ایک فلمی رسالہ پڑھ رہا تھا اور ایمان دار خان اپنے جوتوں پر پالش کر رہا تھا — بیچارے کو صبح وقت نہیں ملتا ہو گا"

"ہوں — اس کا مطلب ہے، ہم ناکام رہے"

"ہاں —" محمود کے منہ سے نکلا۔

"اب ہم صبح کیا جواب دیں گے" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"ایسا اعلان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی" فرزانہ نے منہ بنایا —

"میرا خیال تھا، تجربہ کامیاب رہے گا"

"اب سو جاؤ — صبح دیکھا جائے گا"

"کیا بات ہے — تمہیں بہت ہنسی آ رہی ہے" فاروق نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"تو اور کیا کروں — روؤں — میں ناکامیوں پر رویا نہیں کرتا —"

"جی ہاں — ہم ہی تو روتے ہیں —" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"کیوں نہ آج رات ہم جاگ کر گزاریں —" فاروق نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیوں — اس سے کیا ہو گا —" محمود بولا۔

"شاید آج رات چور کوئی حرکت کرے — کیونکہ وہ جانتا ہے.... صبح ہم اپنا اندازہ بیان کریں گے"

"بات تو ٹھیک ہے — فرزانہ بولی۔

"تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ باری باری جاگتے ہیں —"

تینوں کو جاگنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ہوں —— یہ ٹھیک رہے گا۔" محمود نے کہا ——

"سب سے پہلے میں جاگوں گا —— تم دونوں سو جاؤ ——"

"بہت اچھا۔"

فاروق اور فرزانہ سونے کے لئے لیٹ گئے اور محمود کمرے سے باہر نکل گیا۔ رات دبے پاؤں گزر رہی تھی۔ محمود برآمدوں میں آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا —— برآمدوں میں تاروں کی روشنی کی وجہ سے دیکھا جا سکتا تھا —— یوں سب بلب بجھے ہوئے تھے۔

اچانک اس نے محسوس کیا.... کوٹھی کا صدر دروازہ کھلا ہے...... ہلکی سی چرچراہٹ کی آواز اس کے کانوں تک آئی تھی۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ پھر تیزی سے دروازے کیطرف بڑھا۔ اس نے دیکھا... ایک سایہ سا دروازے میں سے نکل کر جا رہا ہے۔ ایک پل کے لئے اس نے سوچا کہ فاروق اور فرزانہ کو باخبر کرے یا تنہا ہی اس کے پیچھے جائے۔

پھر خیال کیا کہ انہیں اٹھانے میں کہیں دیر نہ ہو جائے اور یہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ یہ سوچتے ہی وہ بھی باہر نکل آیا۔ اب وہ کافی فاصلہ درمیان میں رکھ کر اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ سائے کا رخ پرانی حویلی کی طرف تھا۔ تھوڑی دیر

بعد وہ حویلی تک پہنچ گئے۔ محمود نے اسے حویلی کا تالا کھولتے ہوئے دیکھا —— اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

دروازہ کھلنے پر سایہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، تیزی سے آگے بڑھا۔ حویلی کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر آگے کھسکنے لگا۔ اسے ڈر تھا کہ ذرا سی آہٹ بھی پیدا ہو گئی تو سایہ چونک جائے گا اور پھر شاید وہ فرار ہی ہو جائے۔

اس نے دیا سلائی رگڑنے کی آواز سنی —— شاید سایہ کوئی موم وغیرہ جلا رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے ایک کمرے میں مدھم روشنی جھلکی —— وہ اس طرف بڑھا —— احتیاط کا دامن اس نے اب بھی نہیں چھوڑا تھا —— وہ جانتا تھا، اس وقت اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے..... جب کہ عین ممکن تھا کہ چور کے پاس پستول یا چاقو وغیرہ ہو۔

دیوار سے لگ کر آگے کھسکتے ہوئے جب وہ اس کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا تو اسے اندر ایک عجیب منظر نظر آیا —— چور اندر موجود تھا۔ اس کے سامنے زیورات کا ایک چھوٹا سا ڈھیر لگا ہوا تھا —— وہ انہیں پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے اچھال رہا تھا اور پھر اچانک اس کے قہقہے گونج

اٹھے ——

محمود نے سوچا.... اب اسے یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔

وہ مڑا اور اسی طرح کھسکتا ہوا باہر نکل آیا ——

باب ۱۱

صبح ناشتے کی میز کی طرف جاتے ہوئے فاروق اور فرزانہ محمود پر بری طرح برس رہے تھے۔

"آخر تم نے ہمیں اپنی باری کے بعد کیوں نہیں جگایا۔"

"بھئی —— ضرورت نہیں رہی تھی۔"

"ضرورت نہیں رہی تھی —— کیا مطلب ——" فرزانہ چونکی۔

"ہاں! چند منٹ صبر کرو۔ ابھی ناشتے کی میز پر سب کچھ سامنے آ جائے گا۔"

"کیا سامنے آ جائے گا" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"جو کچھ بھی اس واقعے کی تہہ میں کام کر رہا ہے"

"تو کیا تم تہہ تک پہنچ چکے ہو"

"ہاں! خیال تو یہی ہے ——" محمود مسکرایا۔

وہ میز پر پہنچ چکے تھے۔ ایمان دار خاں ناشتا میز پر لگا رہا تھا۔ چند منٹ بعد ناشتا شروع ہو گیا۔ فارغ ہونے کے بعد سیٹھ کریم بولے:

"ہاں بھئی — آج آپ لوگ اپنے اندازے کا اظہار کریں گے۔"

"جی ہاں — ہم نہ صرف اندازے کی بات کریں گے بلکہ آج آپ کے چور کو بھی بے نقاب کر دیں گے۔"

"کیا مطلب — کیا آپ لوگ جان چکے ہیں کہ چور کون ہے۔"

"ہاں — ابّا جان .... ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ سے پہلے چور تک پہنچ گئے۔" اس مرتبہ محمود نے انسپکٹر جمشید سے کہا۔

"مجھے خوشی ہے بھئی — اور پھر میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا —"

"تو پھر ذرا جلدی بتایئے — چور کون ہے —" نسیم نوری نے بے تاب ہو کر کہا۔

محمود نے اسے طنز بھری نظروں سے دیکھا اور کہنے لگا۔

"ہم نے رات اعلان کیا تھا کہ آج ناشتے کی میز پر اپنا اندازہ بتائیں گے — اس کے بعد ہم اپنے کمرے میں چلے گئے۔ وہاں ہمیں آپس میں مشورہ کرنا تھا۔ چنانچہ یہی ہوا، چور ہماری باتیں سننے کے لیے دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ ہماری بہن کے

کان بہت تیز ہیں اور وہ قدموں کی ہلکی سے ہلکی چاپ بھی سن سکتی ہے تو وہ یہ حماقت نہ کرتا — خیر فرزانہ کو معلوم ہو گیا کہ چور دروازے پر آ چکا ہے — بس ہم یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھے کہ چور ضرور ہماری باتیں سن رہا ہے —

ہم نے دروازہ کھولا تو باہر کوئی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ چور وہاں سے کھسک گیا تھا۔ ہم پہلے ہی پروگرام طے کر چکے تھے، چنانچہ ہم تینوں نے ہر ایک کے کمرے کا جائزہ لیا.... تاکہ معلوم ہو سکے کہ چور کون ہو سکتا ہے — سیٹھ صاحب ہمیں سوتے ملے، نسیم نوری صاحب بھی سو رہے تھے.... مسٹر آصف ایک فلمی رسالہ پڑھ رہے تھے.... ایمان دار خان اپنے جوتوں پر پالش کر رہے تھے۔

ہم نے سوچا یہ تھا کہ چور کو اتنا وقت نہیں ملے گا کہ وہ جلدی سے اپنے کمرے میں جا کر سوتا بن جائے۔ اب دو آدمی ہمیں سوتے ملے — دو جاگتے — لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سونے والے جھوٹ موٹ سو رہے ہوں اور انہیں اتنا وقت مل گیا ہو کہ وہ چارپائی پر لیٹ کر چادر تان کر سوتے بن گئے ہوں۔

یہ سب باتیں ہماری نظروں میں تھیں اور ہو سکتا تھا کہ ہم کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکتے، لیکن چور سے ایک زبردست غلطی ہو گئی جسے میں نے بھانپ لیا — اور یہ سب کچھ گھبراہٹ میں ہوا — بس میں نے فوراً سمجھ لیا کہ چور یہی ہے.... اس کے بعد ہم اپنے کمرے میں آ گئے — میرا ارادہ رات بھر چور کی نگرانی کرنے کا تھا — اتفاق سے فاروق اور فرزانہ نے بھی یہی تجویز پیش کی۔ انہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ چور کون ہے۔ میں نے انہیں کچھ نہ بتایا اور نگرانی کرنے کے لئے باہر آ گیا چور رات کے وقت اپنے کمرے سے نکلا اور پرانی حویلی تک گیا۔"

"کیا کہا — پرانی حویلی تک —" سیٹھ کریم بھائی چلائے۔

"جی ہاں — وہاں جا کر اس نے ایک کمرے میں دفن زیورات نکالے اور انہیں دونوں ہاتھوں سے اچھال اچھال قہقہے لگانے لگا — یہ اس کی کامیابی کا نشان تھے۔ اگرچہ ایک سال سے یہ انہیں بیچ نہیں سکا تھا — تو جناب یہ تھی کل کہانی" یہ کہہ کر محمود خاموش ہو گیا —

"کل کہانی —" نسیم نوری نے حیران ہو کر کہا۔ "لیکن آپ نے یہ کب بتایا ہے کہ چور کون ہے۔"

"ہاں! یہ میں نے نہیں بتایا... بلکہ آپ بھول رہے ہیں۔ میں نے تو ابھی یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ زبردست غلطی کیا تھی جو چور سے سرزد ہوئی تھی —"

"ارے ہاں — یہ بات بھی رہ گئی —"

"خیر..... میں بتاتا ہوں — ابھی ابھی میں نے بتایا تھا کہ جب ہم نے باہر نکل کر سب کو دیکھا تو مسٹر آصف فلمی رسالہ پڑھ رہے تھے —"

"ہاں — تو.... تو کیا... یہ چور ہے —" سیٹھ کریم نے حیران ہو کر کہا۔

"سنیئے — اور میں نے بتایا تھا کہ ایمان دار خان اپنے جوتوں پر پالش کر رہے تھے —"

"ہاں — تو پھر — اس سے کیا؟" نسیم نوری بولے۔ انسپکٹر جمشید برابر مسکرائے جا رہے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس وقت محمود سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور وہ انہیں چکر پہ چکر دے رہا تھا۔

"بس یہ ایماندار خان کی زبردست غلطی تھی —"

"کیا مطلب —" وہ سب ایک ساتھ چلائے — البتہ چلانے والوں میں انسپکٹر جمشید نہیں تھے۔ فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں بھی حیرت کے مارے

کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"ہاں — ایمان دار خان پالش کر رہے تھے — ان کے بائیں ہاتھ میں سیاہ رنگ کا جوتا تھا .... لیکن یہ اس پر پالش سرخ رنگ کے برش سے کر رہے تھے۔"

"کیا !!!" وہ ایک بار پھر چلا اٹھے

پھر کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی — وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایماندار خاں کو دیکھ رہے تھے — اور ایمان دار خان کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا — اچانک اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں ! یہ ٹھیک ہے۔ چور میں ہوں — مجھے گرفتار کر لو"

نسیم نوری چھلانگ مار کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید کی آواز انہیں سنائی دی"

"کہانی یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی — ابھی اس کا کچھ حصہ باقی ہے۔"

"کچھ حصہ باقی ہے .... کیا مطلب !" محمود بری طرح چونکا، دوسرے بھی انسپکٹر جمشید کو تکنے لگے۔

"ہاں ! یہ تو ٹھیک ہے .... کہ ایماندار خاں ہی وہ چور ہے جس نے ایک سال پہلے سیٹھ صاحب کے زیورات

چرائے تھے .... لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ ایماندار خود کون ہے۔" یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" سیٹھ کریم نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ایمان دار خان آپ کے بھائی عظیم صاحب ہیں .... مسٹر آصف .... اپنے والد سے ملیے"

"کیا — !!" آصف اور سیٹھ کریم اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"ہاں ! آج سے دس سال پہلے یہ یہاں سے غائب ہو گئے تھے .... وجہ میں بتاتا ہوں — دراصل انہیں بچپن میں ہی چوری کی عادت پڑ گئی تھی — ماں باپ نے انہیں نہ ٹوکا اور یہ ماہر چور بن گئے۔ گھر میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی انہیں چوری کا چسکا پڑ گیا — یہ ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگے۔ آج سے دس سال پہلے یہ اتفاق سے پکڑے گئے۔ سیٹھ صاحب نے انہیں بچانے کی بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں پانچ سال قید کی سزا بول دی گئی، لیکن یہ جیل سے بھاگ گئے اور روپوش ہو گئے — آٹھ نو سال انہوں نے گمنامی کی حالت میں گزارے اور اس دوران ڈاڑھی بھی رکھ لی تا کہ پہچانے نہ جا سکیں — جب آٹھ سال کا عرصہ گزر گیا اور انہوں نے سوچ لیا کہ اب انہیں کوئی

نہیں پہچان سکے گا تو یہ واپس لوٹے .... لیکن ایک ملازم کی
حیثیت سے — کیونکہ اپنے آپ ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ یہ
صرف اپنے بیٹے کے قریب رہنا چاہتے تھے، چنانچہ یہ
یہاں آکر ایماندار خاں کے نام سے ملازم ہو گئے۔ بہت
جلد انہوں نے اس گھر میں اپنی ایمانداری کا سکہ جما لیا، لیکن
...چوری کا چسکا ابھی گیا نہیں تھا — ایک دن سیٹھ صاحب
باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ اتفاق سے اپنی چابی گھر ہی بھول
گئے۔ بس انہوں نے تجوری کھولی اور زیورات نکال لیے —
اب انہوں نے سوچا.... زیورات کہاں چھپائیں... تو فوراً
حویلی کا خیال آگیا — یہ وہاں گئے اور زیورات ایک کمرے
میں دفن کر دیے — نسیم نوری صاحب نے خوب تفتیش
کی، لیکن چوری کا سراغ نہ ملا — اس طرح ایک سال گزر
گیا.... خدا کو انہیں سزا دینا منظور تھا.... جرم کی سزا ضرور
ملتی ہے... ان کے ذہن میں غرور پیدا ہوا اور انہوں نے
سمجھ لیا کہ انہیں کوئی گرفتار نہیں کر سکتا — بس انہوں نے
شیخی میں آکر مجھے خط لکھ مارا — اور اس طرح ہم یہاں
پہنچ گئے — یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں جب اس گھر میں داخل
ہوا تھا، اسی وقت جان گیا کہ چور یہی ہیں پھر تصویر دیکھ کر
تو کوئی شک ہی نہ رہا — لیکن میں خاموشی سے حالات
کا جائزہ لیتا رہا اور محمود، فاروق اور فرزانہ کو کھلی چھٹی
دے دی — لیکن میں ان کی نگرانی بھی کرتا رہا کہ کہیں
یہ کوئی غلطی نہ کر جائیں چنانچہ جب محمود ان کا تعاقب
کرتے ہوئے حویلی تک گیا تو میں بھی اس سے تھوڑے
سے فاصلے پر تھا۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے — سب سکتے میں آ
گئے......

"اور اب نسیم صاحب.... آپ کا مجرم آپ کے
حوالے ہے — میرا خیال ہے کہ اب یہ اپنی سزا پوری
کر کے ہی واپس آئیں گے — فرار ہونے کا کوئی فائدہ
نہیں — جرم کیا ہے تو سزا بھی بھگتنا ہی چاہیے —
فرار ہو کر آدمی سکون سے نہیں رہ سکتا — وہ ساری
زندگی ڈرتا رہتا ہے۔"

کمرے کی فضا پر ایک بوجھل سی خاموشی طاری ہو
گئی — سیٹھ کریم کے بھائی کا سر جھک گیا۔

"مگر ابا جان!.... آصف تو ان کے بیٹے ہیں، پھر انہوں
نے بیچارے آصف کو حویلی میں کیوں باندھ کر ڈال دیا؟"
محمود نے سوال کیا۔

"معاملے کو الجھانے کے لئے؟" انہوں نے جواب دیا۔

"اور آصف صاحب کی اور ان کی تحریریں کیوں آپس میں ملتی جلتی ہیں ___؟"

"یہ قدرتی طور پر ہے ___ اس میں ان کے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہے ___ خود عظیم صاحب کو بھی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ان کی تحریر ان کے بیٹے سے ملتی جلتی ہے۔"

"اوہ!" محمود کے منہ سے نکلا۔

اور پھر وہ حویلی میں سے زیورات نکالنے کے لئے چل پڑے۔ آصف بہت اداس نظر آرہا تھا۔ اتنے دنوں کے بعد باپ کی شکل نظر آئی تھی.... لیکن پھر بچھڑ جانے کے لیے۔